پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات
لکھنؤ

مسلسل اشاعت کا ۵۰واں سال

۱۰۵۵۸
جرائد ۱۹۱۲۶۵

ندوۃ العلماء کی دعوت اور علوم نبوت کی اشاعت

ندوۃ العلماء درحقیقت قدیم وجدید کی مصنوعی تقسیموں اور سطحی بحثوں سے بالاتر ہے، قدیم وجدید کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں، اسلام نہ قدیم ہے نہ جدید، نہ مشرقی ہے نہ مغربی، نہ ندوی ہے نہ دیوبندی، نہ علی گڑھی ہے اور نہ کچھ اور، وہ پانی، ہوا اور غذا کی طرح ہر زمانہ میں یکساں، اور ہر شخص کے لیے ضروری، اور آفتاب کی طرح ہمیشہ سے زندہ وتابندہ ہے، وہ ایک ازلی وابدی اور آسمانی پیغام ہے، جو زمانہ وتاریخ، زبان وادب اور معاشرت واجتماع کے اثرات سے آزاد اور ماوراء ہے، اس لحاظ سے ندوۃ العلماء کی دعوت کو بھی قدیم وجدید کے چھوٹے چھوٹے پیمانوں سے ناپنا درست نہیں جو عین اسلام کی دعوت، علوم نبوت کی ترجمانی واشاعت اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نیابت ووراثت ہے۔

مولانا سید محمد الحسنی

فی شمارہ =/12₹
۱۰/نومبر ۲۰۱۲ء
سالانہ زرتعاون -/250

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ — لکھنؤ

جلد نمبر ۵۰ — ۱۰ر نومبر ۲۰۱۲ء مطابق ۲۶ر ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ — شمارہ نمبر

۱۰۵۵۱
۱/۱۳۶۵
جرائد

اس شمارے میں

اداریہ
فانی زندگی کی فکر اور ابدی راحت سے غفلت — شمس الحق ندوی — ۲

قند مکرر
تجدید عہد — کچھ یادیں، کچھ عزائم — مولانا سید محمد الحسنیؒ — ۳

حکمت الٰہی
خلفائے اربعہ اور حضرات حسنینؓ — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ — ۶

مشعل راہ
وحدت خداوندی اور وحدت انسانی — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۱۱

سبق آموز
میری موت — عبرتناک واقعہ — تحریر: شیخ علی طنطاویؒ — ۱۳

حالات حاضرہ
آزادیٔ رائے پر دو موقف — مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی — ۱۶

حاصل مطالعہ
سیرتی الارض — مولانا مناظر احسن گیلانیؒ — ۱۹

محاسن اسلام
اسلامی تقویم کی خصوصیات اور محرم الحرام — مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی — ۲۰

فقہ و فتاویٰ
سوال و جواب — مفتی محمد ظفر عالم ندوی — ۲۲

خبر و نظر
عالم اسلام — جاوید اختر ندوی — ۲۳

اصلاح معاشرہ
زبان کا غلط استعمال — احمد معاویہ اشرفی — ۲۵

سنہرے نقوش
بہادر ڈاکو حجاج کی عدالت میں — ادارہ — ۲۷

نسیم رحمت
مہبط روح امیں حامل قرآن کو سلام — حمید صدیقی مرحوم — ۳۱

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا مفتی محمد ظہور ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی
(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

نائب مدیر
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
- مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا خالد ندوی غازی پوری
- نعیم الرحمن صدیقی ندوی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-226007
E-mail: nadwa@sancharnet.in, Ph: (0522) 2740406

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

سالانہ زر تعاون -/250	فی شمارہ -/12	ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک کے لئے -/50$ ڈالر

ڈرافٹ تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30 روپے جوڑ کر چیک دیں۔

آپ کے خریداری نمبر کے نیچے اگر کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلدی زر تعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

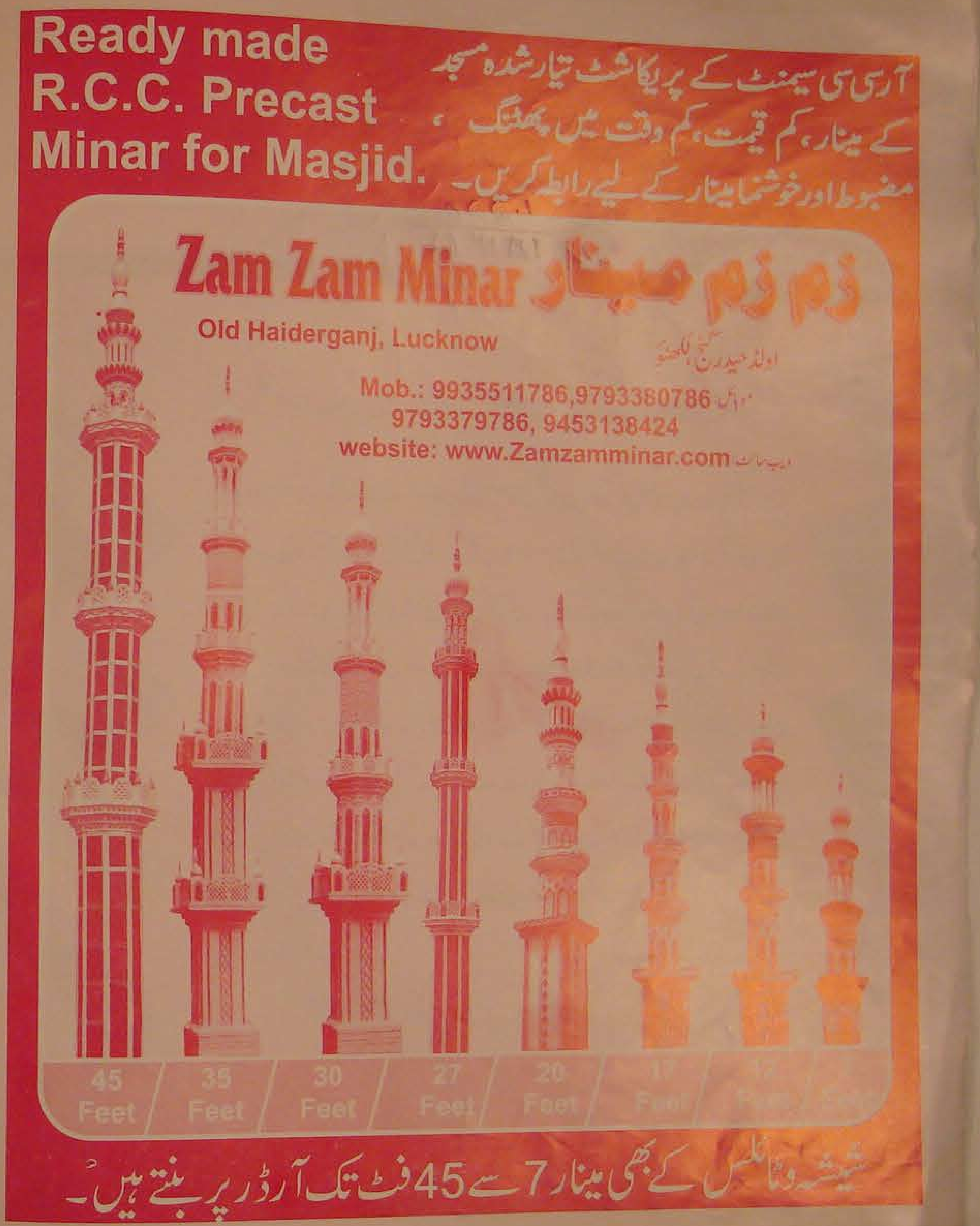

اداریہ

فانی زندگی کی فکر اور ابدی راحت سے غفلت

شمس الحق ندوی

ہر انسان کو اپنی زندگی سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اور وہ اس کی بقا و حفاظت کے لیے ہر جتن کرتا ہے، جسمانی قوت و توانائی کے لیے غذا کی فکر کرتا ہے، سردی گرمی سے بچنے کے لیے لباس کا انتظام کرتا ہے، سکون و اطمینان اور آرام و راحت کے ساتھ رہنے کے لیے مکان بناتا ہے، لذت کام و دہن کے لیے ماکولات و مشروبات کی تمام اقسام کو سمیٹ لینے کا خواہاں رہتا ہے، بیماریوں سے محفوظ رہنے کے لیے صاف ستھری اور جراثیم سے پاک جگہوں کا انتخاب کرتا ہے، ان چیزوں کے حصول کو وہ اتنا ضروری سمجھتا ہے کہ ان کے حاصل کرنے میں اکثر حدود و قیود کو پار کر جاتا ہے بلکہ اپنے اور اپنے متعلقین کے سوا سب کو بھول جاتا ہے، خود کو سارے وسائل حاصل ہوں چاہے دوسروں کا خون چوس کر، دوسروں کا گھر بے چراغ کر کے، یہ وہ حقائق ہیں جن کو عالم و جاہل، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ بھی جانتے ہیں اور یہ شب و روز ہم سب کے تجربہ میں آتے رہتے ہیں۔

مگر یہ انسان یہ نہیں سوچتا اور ادھر اس کا ذہن نہیں جاتا کہ یہ چیزیں تو دیگر تمام مخلوقات میں مشترک ہیں اور ہر مخلوق اپنے رہنے کھانے اور اپنی جان کی حفاظت کی فکر کرتی ہے حتی کہ سانپ جس کا ایک قطرۂ لعاب انسان کو موت کی نیند سلا دیتا ہے، وہ بھی اپنی جان کے لیے خائف رہتا ہے اور زندگی کی بقا کے لیے محفوظ مقامات اور اپنے دشمنوں سے حفاظت کی جگہیں تلاش کرتا ہے، یہ ہمارا ہر وقت کا مشاہدہ ہے، ہم ہر ذی جان میں یہ بات محسوس کرتے ہیں، لیکن انسان اور دیگر مخلوقات میں وجہ امتیاز کیا ہے؟ اس پر نظر کم جاتی ہے بلکہ بہت کہنے سننے اور توجہ دلانے کے بعد بھی اس پر غور کرنے کی فرصت نہیں ملتی کہ انسان کے اس جسمانی نظام کے ساتھ اس کا ایک روحانی نظام بھی ہے، جس کو اسی طرح غذا، صاف ستھری فضا اور سازگار حالات و ماحول کی ضرورت ہے جس طرح جسم کو، اور حقیقت یہ ہے کہ یہی دوسری چیز وہ جوہر اصلی ہے جس کی وجہ سے انسان کو دیگر تمام مخلوقات پر امتیاز و برتری حاصل ہے، اگر وہ اپنی اس حقیقت کو پہچانتا ہے تو اپنے سر پر ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ کا تاج رکھتا ہے اور پھر صحیح اور حقیقی معنی میں فرشتوں کو بھی اس پر رشک آتا ہے، بلکہ وہ اس کے اعزاز و تکریم میں اس کے لیے استغفار کرتے ہیں، بنی نوع انسان پر اللہ تعالی کا یہ مزید انعام ہے کہ افضل الخلائق بنا کر اس کو اس کے حال پر نہیں چھوڑ دیا، بلکہ اس کے اس امتیازی وصف کے سلسلے میں ہدایت و رہنمائی کے لیے اپنے رسولوں اور آسمانی کتب کا سلسلہ جاری فرمایا، جس کی آخری کڑی فداہ ابی و امی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، اور آپؐ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم ہے۔

مگر کیا انسان جتنی فکر اپنے فانی اور معدوم ہو جانے والے جسم کے لیے کرتا ہے، اس کا عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی اپنے دائمی اور ابدی و روحانی نظام کے لیے کرتا ہے؟ یہ کتنی بڑی بھول اور نادانی ہے کہ مسافر اپنی منزل سے غافل و بے خبر ہو کر ساری توانائی و صلاحیت، اسباب سفر اکٹھا کرنے میں صرف کر دے۔

ہم اس وقت جس ماحول میں زندگی گذار رہے ہیں، اس میں اسباب سفر جمع کرنے کا اتنا غلبہ ہے کہ روحانی غذا کے پہلو پر جسمانی غذا کا ایسا غبار چھا گیا ہے کہ بعض وقت دین کے نام سے، روحانی غذا کا لبادہ اوڑھ کر یہ کام کیا جاتا ہے، اور یہ خیال بھی نہیں آتا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کس انداز میں اس سے ڈرایا اور آگاہ کیا ہے، اور شیطان کیسے کیسے وسوسے اور حسین خواب دکھا کر اس راہ پر چلا دیتا ہے، جس کا انجام اگلی دنیا میں حسرت و ندامت کے سوا کچھ نہیں ہوگا، شیطان کے اس فریب کے بعض وقت تو ایسے ناقابل یقین واقعات سامنے آتے ہیں کہ اللہ تعالی نے جس کو صحیح دینی شعور سے نوازا ہے، وہ بھی دم بخود رہ جاتا ہے، حد یہ ہے کہ اس سلسلہ میں لوگ مختلف انداز و عنوان سے اولیاء اللہ کا بھی سہارا لینے میں ذرا تکلف نہیں کرتے۔

اللہ تعالی ہی اپنے فضل و کرم سے ہماری حفاظت فرمائے، ہر طرح کے شرور و فتن سے محفوظ رکھے اور شیطان کے فریب سے بچائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

قند مکرر

تجدید عہد - کچھ یادیں، کچھ عزائم

مولانا سید محمد الحسنیؒ

قارئین محترم! یہ محض اللہ رب العزت کا بے پایاں فضل و کرم ہے کہ "تعمیر حیات" کی مسلسل اشاعت کے ۵۰ ویں سال کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس موقع پر اس کے مدیر اول کا اداریہ (۱۰ نومبر ۱۹۶۳ء) قند مکرر کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے کہ اس عہد کی تجدید ہو جائے، خدائے کریم سے دعا ہے کہ وہ اس کو قبول فرما کر دین و ملت کی خدمت کا کام لیتا رہے، وہی حامی و ناصر ہے، اس کے دست قدرت سے کچھ باہر نہیں۔ [ادارہ]

آج پھر ہم اس عہد کی تجدید کرتے ہیں جو ہندوستان کے مخلص اور روشن ضمیر علماء نے آج سے ستر برس پہلے کانپور کے مدرسہ فیض عام میں کیا تھا، وہ یقیناً ایک مبارک اور تاریخی گھڑی تھی جس کو ہندوستان کی اسلامی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

انھوں نے اپنی ایمانی فراست سے وقت کی جس آواز کو سمجھا تھا، اور اپنی نگاہ بصیرت سے جن انقلابات و تغیرات کا مشاہدہ کیا تھا، اس کا عمل ابھی ختم نہیں ہوا، بیسویں صدی کے اس نصف آخر میں بھی (جو مادہ پرستی، الحاد و بے دینی اور غیر اسلامی نظریات و تحریکات کی سخت یورش کا عہد ہے) ان کی جلائی ہوئی شمع روشن ہے اور ماحول کی کثافت اور تاریکی کے ساتھ ساتھ اس کی روشنی بھی برابر بڑھتی جا رہی ہے۔

یہ دراصل اس عہد کی تجدید ہے کہ ندوۃ العلماء نے جو دعوت، نصب العین، اور نظام عمل مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تھا، اور جس نے ان کے اندر زندگی کی ایک نئی لہر پیدا کر دی تھی، وہ دعوت اور نصب العین ایک طرف علوم نبوت کا حامل و داعی اور شارح و ترجمان اور مسلمانوں کی معاشرتی و دینی اصلاح، رفع نزاع باہمی اور اخوت اسلامی کا آئینہ دار ہے، اور دوسری طرف مغرب کے چیلنج کا ٹھوس اور عملی جواب بھی ہے، یہ اس کے دو ایسے شہپر ہیں جو اس کی بلند اور نتیجہ خیز پرواز کے لیے ضروری ہیں، وہ نہ مرعوبیت کا قائل ہے نہ فرار کا داعی، نہ مغربی علوم اور مادی وسائل و ترقیات کا بالکلیہ منکر ہے، نہ اس کا مقلد جامد، اور خوشہ چیں، وہ نہ ان علوم و وسائل اور صنعتی ترقیات سے وحشت رکھتا ہے، نہ ان سے مقاصد کا سا معاملہ کرنا چاہتا ہے، وہ مغربی تہذیب کی قوت و وسعت، جاذبیت اور اثر انگیزی کا معترف بھی ہے اور اس کے معنوی افلاس، باطنی ظلمت، اور بے مقصدیت اور بے یقینی کی اس کیفیت سے بھی واقف ہے جو یورپ کے حسین و جمیل مظاہر کے اندر پوشیدہ ہے، اور جس نے اس کو حقیقی سکون، قلبی اطمینان اور باطنی مسرت سے یکسر محروم کر رکھا ہے۔

ندوۃ العلماء کے یہ دو ایسے بازو ہیں جو اس کی متوازن ترقی و پیش قدمی کے لیے بے حد ضروری ہیں، اور ان دونوں کے صحیح تناسب کو ملحوظ رکھنا، ندوہ کے ہر طالب علم، ہر ذمہ دار اور ہر بہی خواہ کا فرض ہے، ندوۃ العلماء کو اپنی قیادت و رہنمائی اور تعمیر و ترقی کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی، جس میں نہ حلقۂ مدارس کی طرح ہر جدید سے نفرت اور ہر قدیم سے محبت ہو، اور نہ جدید طبقہ کی طرح وہ مغرب کی ذہنی غلامی میں مبتلا اور اندھی تقلید کا شکار ہو، نہ اس میں جزئیات اور غیر ضروری اشیاء پر بیجا اصرار ہو، اور نہ دین کے بنیادی اور ضروری اجزاء میں نرمی اور مداہنت، وہ ایک طرف زمانہ کا نبض شناس ہو، ملک کے سماجی اور عقلی تغیرات اور نئی نسل کی نفسیات سے بخوبی واقف ہو، دوسری طرف ایمان و یقین کا حامل و داعی، معرفت الٰہی کا محرم اسرار اور رشد و ہدایت اور اصلاح و تربیت کا قافلہ سالار بھی ہو۔

خوش قسمتی سے ندوۃ العلماء کی تاسیس و قیادت ایک ایسے ہی شخص کے حصہ میں آئی جس میں یہ تمام صفات موجود تھیں، میری مراد مولانا سید محمد علی مونگیریؒ (خلیفہ حضرت مولانا فضل رحمٰنؒ) سے ہے جنھوں نے ۱۳۱۰ھ میں ندوۃ العلماء کی بنیاد ڈالی، اور اس کے بعد دس سال سے زائد عرصہ تک اپنے خون جگر سے اس کی آبیاری کرتے رہے۔

مولاناؒ کے روحانی کمالات، باطنی اور اصلاحی و دعوتی خدمات سے قطع نظر جس کے ذکر کے لیے نہ یہ جگہ کافی ہے نہ موزوں۔

مولاناؒ نے ندوۃ العلماء کی ضرورت پر جس سادگی، خلوص، دردمندی اور صفائی کے ساتھ جگہ جگہ توجہ دلائی ہے وہ انھیں کا حصہ ہے، ایک موقع پر اس موضوع پر اس طرح قلم اٹھاتے ہیں:

"بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک جماعت علماء کی دنیا کے حالات و واقعات سے بھی

باخبر ہو، اس کو معلوم ہو کہ جس سلطنت میں وہ بسر کرتی ہے، اس کے اصول سلطنت کیا ہیں، اس کو سلطنت سے کس قسم کا تعلق ہے، ملک میں علماء کا جو اثر کم ہوتا جارہا ہے، اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ خیال عام طور پر پھیلتا جارہا ہے کہ علماء حجروں میں معتکف ہیں، ان کو دنیا کے حال سے بالکل خبر نہیں، اس لیے دنیاوی معاملات میں ان کی ہدایت اور ان کا ارشاد بالکل ناقابل التفات ہے"۔

آگے لکھتے ہیں:

"بے شبہ اصحاب صفہؓ کے مشابہ ایک گروہ ہمیشہ قوم میں موجود رہنا چاہیے، لیکن اس کے ساتھ نہایت ضروری ہے کہ ایک جماعت کثیر ایسی بھی موجود ہو، جو واقفیت واطلاع، حزم و مصلحت اندیشی میں حضرت عمرؓ، عمر بن العاصؓ، خالد بن ولیدؓ، ابوعبیدہؓ امین کے نقش قدم پر ہو"۔

اسی طرح جدید تمدنی اور معاشرتی مسائل کو سمجھنا جو مغربی تہذیب نے کم وبیش ہر ملک میں پیدا کردیے ہیں اور زمانہ کی ضرورتوں اور جدید تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان مسائل کا حل پیش کرنا جو اسلامی معاشرہ کو چیلنج کررہے ہیں، اس وقت بھی مولاناؒ کی نظروں سے اوجھل نہ تھا، بلکہ یہ مسئلہ مولانا کے نزدیک وقت کا اہم ترین مسئلہ تھا، مولاناؒ نے اس کا ایک مفصل خاکہ ۱۳۱۳ھ کے جلسۂ انتظامی میں پیش کیا تھا، اس میں ایک جگہ مولانا لکھتے ہیں:

"جو وقت میں نے فقہ میں بیان کی وہ علمی حیثیت سے تھی، مگر ایک اور دقت اس میں ہمارے علماء کے لیے یہ ہے کہ زمانہ کے حالات پر ان کی نظر نہیں، دنیا کے معاملات سے اکثر ناواقف، انکی پیچیدگیوں کو سلجھانا دشوار، جب فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ زمانہ کے بدل جانے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں تو ضروری ہوا کہ مفتی زمانہ کی حالت سے بھی واقف ہو اور اس طرح جب تک معاملات سے واقف نہ ہوگا اور اس کی پیچیدگیوں پر مطلع نہ ہوگا تو صحیح جواب کیونکر دے گا"۔

مسلمانوں کی عمومی اور معاشرتی اصلاح ابتداء ہی سے ندوۃ العلماء کے پیش نظر رہی، اور اس نے رفع نزاع باہمی، رسوم قبیحہ کا انسداد، اور معاشرتی اصلاح کے میدان میں بڑی خدمات انجام دیں، مولانا ابراہیم آروی اور مولانا شاہ امانت اللہ فصیحی غازیپوری کا عہدنامہ اتفاق جو اس زمانہ کا ایک اہم واقعہ تھا، اس میدان میں ندوہ کا پہلا ثمرہ کہا جاسکتا ہے، جو اس کے قیام کے دوسرے ہی سال حاصل ہوگیا اور اس کا ان کثیر مسلمانوں پر بہت خوشگوار اثر پڑا جو ان دونوں کے زیر اثر تھے۔

ندوہ کی روئدادوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۱۳ھ تک ندوۃ العلماء کی طرف سے ہندوستان کے متعدد علاقوں میں ایسی انجمنیں قائم ہوچکی تھیں جن کا مقصد مسلمانوں کی دینی ودنیاوی تعلیم کا انتظام اور رسوم وغیرہ کا انسداد تھا، اس کے علاوہ مبلغین کی کوششوں سے جو اسی مقصد کے لیے تیار کیے جاتے تھے، ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں بڑے بڑے خاندانوں اور گھرانوں میں اصلاح ہوئی اور اس کی وجہ سے برسوں پرانے اختلافات اور جاہلانہ روایات کا خاتمہ ہوا۔

نصاب کے میدان میں جو کام ہوا وہ ندوۃ العلماء کی تاریخ کا روشن اور تابناک ورق ہے، مولانا محمد علیؒ کے پیش کردہ نصاب تعلیم اور مجوزہ نقشہ دار العلوم اور ان کے نامور رفقاء مولانا شبلیؒ، مولانا شروانیؒ، مولانا سید عبدالحیؒ وغیرہ کی کوششوں نے ندوۃ العلماء کو ایک نئے نظام تعلیم سے آشنا کیا جو قدیم وجدید کے محاسن کا جامع اور دونوں کے عیوب سے پاک تھا، بالخصوص مولانا شبلیؒ اور ان سے بڑھ کر مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اس کے دامن کو عطر بیز اور خوش رنگ پھولوں اور آبدار موتیوں سے بھر دیا جن کی آب وتاب اور چمک دمک آج بھی نظروں کو خیرہ کررہی ہے، اگرچہ اس سلسلہ میں آج بھی بہت کام باقی ہیں، اور زمانہ کے ساتھ ساتھ ندوۃ العلماء کی ذمہ داریاں بھی برابر بڑھتی جارہی ہیں، نصاب تعلیم میں اس قدر تبدیلیاں ہونے کے باوجود اب بھی اس میں انقلابی تغیرات بلکہ اس کو نئے سرے سے ڈھالنے کی ضرورت ہے، حقائق سے گریز اور واقعات سے چشم پوشی کسی خامی اور کمی کا ازالہ نہیں کرسکتی اور دیر سویر یہ پردہ چاک ہوکر رہتا ہے۔

اسی طرح تحقیقات شرعیہ کے میدان میں ایک نئے سفر کا آغاز کرنا ہے، اور اس کی ساری مشکلات اور الجھنوں کو برداشت کرنا ہے، اس میں جس قدر دین کے صحیح فہم اور توازن، تحمل اور دقیقہ رسی کی ضرورت ہے، وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ مولانا مونگیریؒ کا دیکھا ہوا خواب اب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر آرہا ہے اور مجلس تحقیقات شرعیہ کے نام سے ایک باضابطہ ادارے کا وجود اسی کام کے لیے عمل میں آچکا ہے۔

جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے ربط واتصال اور اس کو جدید تقاضوں کی روشنی اور جدید اسلوب میں اسلام کی دعوت دینے اور اس کے دل ودماغ کو بیک وقت متاثر کرنے کے لیے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے نام سے ایک اہم تصنیفی واشاعتی ادارہ کئی سال سے قائم

ہے اور اس نے ملک میں ایک وقیع جگہ بنالی ہے۔

ہماری نظر کے سامنے مستقبل کی جو درخشاں صورت جلوہ گر ہے اس کی تصویر وتعبیر اس پرچہ میں کسی اور جگہ یا آئندہ صحبتوں میں کی جاتی رہے گی اور ہمارے آپ کے درمیان ربط وتعارف کا یہ نیا سلسلہ ان شاء اللہ دراز ہوگا۔

ایڈیٹر نے اس طویل داستان سے یقیناً کچھ لوگوں کی حق تلفی کی، لیکن آج کے دن کے لیے اس کے پاس کوئی اس سے بہتر کوئی پیغام نہ تھا، "تعمیر حیات" کے آغاز کے ساتھ اس نصب العین اور تخیل کا ذکر لازمی تھا جس کی تبلیغ واشاعت کے لیے اور جس کے نام پر اس کا اجراء ہورہا ہے۔

آخر میں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ ندوۃ العلماء درحقیقت قدیم وجدید کی مصنوعی تقسیموں اور سطحی بحثوں سے بالاتر ہے، قدیم و جدید کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں، اسلام نہ قدیم ہے نہ جدید، نہ مشرقی ہے نہ مغربی، نہ ندوی ہے نہ دیوبندی، نہ علی گڑھی ہے اور نہ کچھ اور، وہ پانی، ہوا اور غذا کی طرح ہر زمانہ میں یکساں، اور ہر شخص کے لیے ضروری، اور آفتاب کی طرح ہمیشہ سے زندہ وتابندہ ہے، وہ ایک ازلی وابدی اور آسمانی پیغام ہے، جو زمانہ وتاریخ، زبان وادب اور معاشرت و اجتماع کے اثرات سے آزاد اور ماوراء ہے، اس لحاظ سے ندوۃ العلماء کی دعوت کو بھی قدیم وجدید کے چھوٹے چھوٹے پیمانوں سے ناپنا درست نہیں جو عین اسلام کی دعوت، علوم نبوت کی ترجمانی واشاعت اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نیابت ووراثت ہے۔

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

عمدہ کاغذ - بہترین طباعت - خوبصورت سرورق

نمبرشمار	اسمائے کتب	قیمت	۱۳	مختارات (دوم)	80/=
۱	قصص النبیین (اول)	25/=	۱۴	منثورات	70/=
۲	قصص النبیین (دوم)	25/=	۱۵	الادب العربی	70/=
۳	قصص النبیین (سوم)	32/=	۱۶	شرح شذور الذھب	80/=
۴	قصص النبیین (چہارم)	30/=	۱۷	الفقہ المیسر	90/=
۵	قصص النبیین (پنجم)	50/=	۱۸	قطر الندیٰ	70/=
۶	القراءۃ الراشدۃ (اول)	30/=	۱۹	سوانح مولانا محمد یوسفؒ	250/=
۷	القراءۃ الراشدۃ (دوم)	39/=	۲۰	تہذیب الاخلاق	80/=
۸	القراءۃ الراشدۃ (سوم)	50/=	۲۱	شذیٰ العرف	100/=
۹	معلم الانشاء (اول)	50/=	۲۲	تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ	80/=
۱۰	معلم الانشاء (دوم)	50/=	۲۳	مباحث فی علوم القرآن	80/=
۱۱	معلم الانشاء (سوم)	45/=	۲۴	علم التصریف	40/=
۱۲	مختارات (اول)	80/=	۲۵	تمرین النحو	30/=

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ 9889378176
مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ 9956482287
مکتبہ الفرقان، نظیرآباد، لکھنو 9936635816
مکتبہ احسان، حسن منزل، مکارم نگر، لکھنؤ 9335982413
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ 9198621671
مکتبہ دارین، نزد شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ 9335858300

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

حکمت الٰہی

خلفائے اربعہ اور حضرات حسنین رضؓ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

پیش نظر مضمون دراصل حضرت مولاناؒ کی ایک بصیرت افروز تقریر ہے جو ۱۵/محرم الحرام ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۸/جولائی ۱۹۹۱ء کو "شہدائے اسلام" کے عنوان سے ایک جلسہ میں کی گئی۔

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں ایک فرقہ نے جو ایک خالص منفی و سلبی رویہ اختیار کر رکھا ہے، اور حضرات حسنینؓ کے بارے میں قریبی زمانہ سے بعض اہلِ سنت، اہلِ قلم اور مقررین کی طرف سے جس غیر مناسب ناقدانہ اور بعض اوقات جارحانہ رویہ کا نمونہ اور مثالیں سامنے آنے لگی ہیں، ان کو سامنے رکھ کر ضرورتاً و اضطراراً اس تقریر میں صفائی اور طاقت کے ساتھ اظہار خیال کیا گیا ہے اور مسلمانوں اور اہلِ سنت کو بالعموم اس مسئلہ میں توسط و اعتدال اور جامعیت کی دعوت دی گئی ہے، جو ہمیشہ سے اہل سنت کا امتیاز و افتخار اور قابلِ استناد علماء و محققین اور پیشوایانِ دین کا وصف اور شعار رہا ہے)۔

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الأمین محمد وآلہ وصحبہ أجمعین، ومن تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم الی یوم الدین. أما بعد!

أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا، ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ. [سورہ یٰس/۳۸]

اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آفتاب اپنے مستقر کی طرف (اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے طلوع اور غروب کی جو جگہ متعین کی ہے) بے اختیارانہ بڑھتا اور اس کی طرف چلتا رہتا ہے، اور یہ اس مالک کا مقدر کیا ہوا اور بنایا ہوا نظام و حساب اور اس کا قانون ہے، جو "العزیز" بھی ہے، "العلیم" بھی، غالب بھی ہے، اور علم والا بھی، نظام بنانے والا اور حساب مقرر کرنے والا بھی، اگر کوئی صرف غالب ہو تو ضروری نہیں کہ اس کا نظام و حساب حکمت پر بھی مبنی ہو، وہ محض اپنی قوت سے کام لیتا ہے، لیکن اس کی ساری کارروائی اور کارفرمائی ضروری نہیں کہ حکمت پر مبنی ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حکم دینے والا علیم ہو، لیکن غالب نہ ہو تو سارا کام پورا ہونا مشکل ہے۔

حضرات! آپ کو تعجب ہو رہا ہوگا کہ آج کے اس جلسہ سے جس کا تعلق صحابۂ کرام اور شہدائے اسلام کے فضائل و مناقب سے ہے، اس آیت مبارکہ کا کیا تعلق ہے، جس میں نظام شمسی کا ذکر کیا گیا ہے کہ آفتاب اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ایک خاص جگہ سے چلتا ہے، اور ایک خاص جگہ پہونچتا ہے، اور وہ اپنا پورا سفر اللہ کی قدرت اور اس کے علم کے مطابق طے کرتا ہے؟

میں یہ عرض کروں گا کہ اس آیت کی روشنی اور رہنمائی میں جس میں نظام شمسی کا ذکر ہے، آفتاب رسالت، آفتاب دین حق، آفتاب دین و دعوت کے نظام شمسی کے انضباط اور اپنے مقاصد کی تکمیل کو بھی سمجھا جا سکتا ہے، ان کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اس میں اتفاقات کوئی چیز نہیں ہیں، وہ سب اللہ کے منشا اور اس کے حکم کے مطابق اور اس کی حکمت کے عین موافق گردش کرتے ہیں، اور اس کے تابع ہو کر ان کا نظام چلتا ہے۔

آپ اس نظام نیابت کو دیکھیں جو "خلافت راشدہ" کے لقب سے مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے سفر کرنے کے بعد جو شخصیتیں مسندِ خلافت پر آئیں اور پھر جس ترتیب کے ساتھ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئیں، اور اللہ تعالیٰ نے فرائضِ خلافت ادا کرنے کا جو موقعہ ان کو عطا فرمایا یہ بالکل ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ کا مظہر ہے، اس سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ترتیب اور ایسے نظام کے ساتھ چلایا کہ وہ اس کی رحمت واسعہ، اس کی حکمت بالغہ اور اس کی قوت قاہرہ کی ایک مثال ہے۔

دنیا کے مذاہب و ادیان اور اقوام و ملل اور فلسفۂ تاریخ پر نظر رکھنے والے مفکرین اگر کہیں جمع ہوں اور ان کو اس کا پورا اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے تاریخی تجربہ اور مذاہب و ادیان اور اقوام و ملل کے اسباب زوال و ارتقاء کے مطالعہ کی مدد سے اس سے بہتر ترتیب قائم کریں، تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں، اور تاریخ اور فلسفۂ تاریخ کے ایک طالب علم اور خاص طور پر ادیان و ملل کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے فرد کی حیثیت سے پورے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ اس سے بہتر ترتیب سوچ نہیں سکتے اور اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اکثر ایسا ہوا ہے کہ کوئی عہد گزر گیا ہے، یا ملوک و سلاطین کا کوئی سلسلہ مکمل و مختتم ہو چکا ہے، کوئی سلسلہ حکومت یا شاہی خاندان اپنی مدت ختم کر چکا ہے، بعد میں فلسفہ تاریخ پر نظر رکھنے والے جو لوگ آئے اور انہوں نے ان کی ترتیب پر اور اس ترتیب کے نتائج پر اور پھر ملک و

معاشرہ پر پڑنے والے اس کے اثرات پر غور کیا تو ان کو کہیں نہ کہیں یہ کہنے کا موقعہ ضرور مل گیا کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو زیادہ بہتر تھا، فلاں کے بعد اگر فلاں آیا ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا، اگر وہ پہلے نمبر پر ہوتا تو زیادہ مفید ثابت ہوتا، اگر وہ دوسرے نمبر پر آیا ہوتا تو زیادہ بہتر ثابت ہوتا، اور پھر جیسا کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے کہ ایک حرف "کاش" ایسا ہے کہ مجھے سو جگہ لکھنا پڑا ہے ع

یک حرف کاشکیست کہ صد جا نوشتہ ایم

وہ بھی سو جگہ لکھنے پر مجبور ہوتا کہ کاش ایسا ہوتا، کاش ویسا ہوتا، میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ صرف مسلمان ہی نہیں دنیا کی دوسری قوموں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات اور مغربی اقوام کے بہترین مفکرین، تاریخ داں اور فلاسفہ اور بڑے بڑے مبصرین جمع ہو کر اسلام کے عہدِ اول کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ وہ اپنے ذہن و دماغ سے اور اپنے تاریخی مطالعہ کی روشنی میں اس دین کی حفاظت کرنے والوں، اور اس کو دنیا میں پھیلانے والوں کا ایک چارٹ تیار کریں اور ایک نقشہ بنائیں کہ کس کو کس کے بعد آنا چاہئے تھا، تو میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس سے بہتر چارٹ بنا نہیں سکتے۔

مذاہب و ادیان کی تاریخ بتاتی ہے کہ دین کے لیے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے (میں ریڑھ کی ہڈی نہیں کہوں گا، اس کے لیے یہ روح کا درجہ رکھتی ہے) وہ اس دین کی حفاظت کا کام ہے، اس کا لانے والا، اس کا حامل اوّل اس کو جس طرح لایا ہے، اور اس میں جس چیز کا جو مقام ہے اور جس چیز کا جو درجہ، اور اس کی جو ترتیب ہے، اس کے مطابق اس کا جانشین اس کو قائم رکھے، اور اس میں ذرا بھی تبدیلی کا روادار نہ ہو، یہ سب سے ضروری اور اہم کام ہوتا ہے، مذاہب کی تقدیر کا اس پر انحصار ہوتا ہے کہ پیغمبرؑ کے بعد، (اس دین کے اوّلین لانے والے کے بعد) کون اس کی جگہ لیتا ہے کہ دین اپنی اصلی حالت اور صحیح ترتیب پر، اور اس کی تعلیمات اپنی اہمیت کے مطابق اپنے مقام پر قائم و باقی رہیں؟

ایمانِ کامل کے بعد، معرفت الٰہی کے بعد، اور توحید خالص کے بعد دنیا میں جو بہترین اوصاف ہو سکتے ہیں، اور نفسیات انسانی کے ماہرین اور مراتب کمال کے نبض شناسوں نے جو اعلیٰ ترین اوصاف تجویز کئے ہیں وہ سارے اوصاف اور وہ سارے کمالات ایک طرف رکھے جائیں ان میں سب سے زیادہ کسی مذہب کی بقا کے لیے (میں ارتقاء نہیں کہتا، ارتقاء تو بعد کی چیز ہے) جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے، وہ ہے جذبۂ حفاظت، اور نبیؑ کی تعلیمات کے بارہ میں شدید غیرت، میں تقویٰ کا ذکر یہاں نہیں کرتا، خلفاء اربعہ بلا کسی استثناء کے تقویٰ کے ایسے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے، جس کا تصور بھی بڑے بڑے مفکروں اور تقویٰ شناسوں کے لیے مشکل ہے، میں ان کے علم اور ان کی ذہانت کا بھی ذکر نہیں کرتا، میں ان کی انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلق کے جذبہ، اور ان کی نیک نفسی، خداترسی اور انسان دوستی کا بھی ذکر نہیں کرتا، پہلی چیز اور پہلی شرط جو ہے، وہ یہ کہ پیغمبر کی پہلی جگہ لینے والا اور اس کی نیابتِ اولیٰ کا فرض انجام دینے والا، اس دین و شریعت کے معاملہ میں اتنا غیور ہو کہ اس سے بڑھ کر غیور، اس سے بڑھ کر ذکی الحس، اس سے بڑھ کر خوددار و حساس، اس کے ایک ایک نقطہ کی حفاظت کا جذبہ رکھنے والا کوئی دوسرا نہ ہو۔

دوسری صفات بعد کی ہیں اور اپنی اپنی جگہ پر ان سب کا مقام ہے، لیکن پہلی شرط جس پر دین کی بقاء کا انحصار ہے وہ یہ کہ نبی کا جانشین، اس کا نائب، اس کی جگہ پر امت کی رہنمائی کا منصب سنبھالنے والا جو کچھ بھی ہو اپنی جگہ پر، لیکن دین کے معاملہ میں وہ حد درجہ غیور ہو، وہ اپنے گھر والوں اور اپنی بہو بیٹیوں کی عزت و آبرو کے مقابلہ میں بھی اس دین کے ایک ایک نقطہ کے بارے میں زیادہ غیور، زیادہ باحمیت اور ذکی الحس واقع ہوا ہو، سارے مذاہب و ادیان کی تاریخ بتاتی ہے کہ سب سے زیادہ یہ مذاہب اس وجہ سے تحریف کا شکار ہوئے اور انہوں نے بہت جلد اپنی شکل بدل دی اور ایک دوسرے راستہ پر پڑ گئے کہ ان مذاہب کو اپنے لانے والوں کے بعد (لاکھوں درود و سلام ہوں ان پر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا جانشین، محافظ و امین، اور وفادار و غیور جانشین نہیں ملا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کس مرتبہ کے انسان تھے؟ ان کی صفات، ان کی سیرت و سوانح کی کتابوں میں پڑھیے، وہ کن کمالات کے حامل تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں کیا فرمایا، ان کو کس درجہ کی فضیلت حاصل ہے، ان پر امت کو کتنا اتفاق ہے، یہ سب حدیث اور سیرت کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے، لیکن ان کی سب سے بڑی اور غالب صفت جس کی پہلے مرحلہ میں سب سے بڑھ کر ضرورت تھی، وہ ان کی دین کے بارے میں حد سے بڑھی ہوئی غیرت، ذکاوت حس، اس کے ایک ایک نقطہ کی حفاظت کا جذبہ اور منشائے رسول کی تکمیل کا غیر متزلزل عزم و فیصلہ تھا۔

ان کا خدا کے ساتھ جو تعلق تھا وہ اپنی جگہ پر، ان کی راتوں کی گریہ وزاری، ان کی دعائیں، اور خلق خدا پر ان کی شفقت اور ان کا عدل و تقویٰ، ان کا زہد و ایثار، وہ صفات و خصوصیات ہیں، جو اپنی جگہ پر بڑی قدر و قیمت کی حامل ہیں، مگر حفاظت دین اور اس کے بارہ میں شدید غیرت، یہ ان کا وصف خاص اور ان کی سیرت کی کلیدی صفت ہیں، جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ آج دین پر جو عمل ہو رہا ہے، فرائض اور شرعی احکام زندہ ہیں،

دین تحریف اور امت کلی طور پر ضلالت سے جو محفوظ ہے، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اسی حفاظت دین کے جذبہ کا نتیجہ اور ظہور ہے، خدا کے فضل سے آج بھی خدائے واحد کے ماننے والے موجود ہیں، بنیادی عقائد پر ایمان رکھنے والے اور فرائض کے پابند ہیں، جن کے بغیر کسی مسلمان کا مسلمان رہنا مشکل ہے، یہ سب رہین منت ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اولیٰ کا اور میں کیا چیز ہوں میری کیا حیثیت ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جن سے زیادہ حدیث کے راویوں میں کسی سے روایات منقول نہیں، اور جن کی عدالت و صداقت پر امت کا اتفاق ہے، وہ فرماتے ہیں:

"واللہ الذی لا الہ الا ھو لولا أن ابابکر استخلف ماعبداللہ" [البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۰۴] لوگوں نے کہا دیکھئے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے پھر کہا: "واللہ الذی لا الہ الا ھو لولا أن أبابکر استخلف ماعبداللہ" (خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر حضرت ابوبکرؓ مسند خلافت پر متمکن نہ ہوتے تو دنیا میں خدائے واحد کی عبادت واطاعت کا سلسلہ جاری نہ رہتا)

بات کیا تھی؟ بات یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ دین کے بارے میں ایسی غیرت رکھتے تھے، جو غیرت عزت وآبرو کے بارے میں ہوتی ہے، اور یہی ان کا سب سے بڑا وصف تھا، اور یہی ان کا اصل جوہر جس کی اس وقت سب سے زیادہ ضرورت تھی، ان کے اس وصف کو ان کا وہ جملہ بتاتا ہے، جس کو تاریخ نے انہیں کے لفظوں میں نقل کیا ہے، اور وہ جملہ خود بول رہا ہے کہ وہ کس دل سے نکلا ہے، اور کس ایمان ویقین کے ساتھ نکلا ہے، وہ جملہ ہے: "اَیُنْقَصُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ" (میرے جیتے جی دین میں کتر بیونت ہو سکتی ہے؟) میری آنکھوں کے سامنے اللہ کے دین میں ایک حرف کیا ایک نقطہ کی بھی کمی ہو سکتی ہے؟

یہ ہے وہ چیز جس کی مذاہب وادیان کو سب سے پہلے ضرورت پڑتی ہے، اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں بدرجۂ کمال موجود تھی۔

اب میں آپ کے سامنے اس دینی غیرت وحمیت اور ذمہ داری کے بڑھے ہوئے احساس کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔

۱۔ وفات نبویؐ کے بعد ہی جزیرۃ العرب میں فتنۂ ارتداد اٹھا، اب کچھ ایسی نئی تحقیقات سامنے آئی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فتنۂ ارتداد میں باہر کے یہودیوں اور عیسائیوں کا بھی ہاتھ تھا، ابھی تک یہ بات تاریخ کی روشنی میں نہیں آئی تھی، (دیکھئے: استاد محمد جمیل مصری کی کتاب "اثر اھل الکتاب فی الفتن الداخلیۃ والحروب الاھلیۃ فی القرن الاول") انہوں نے یہ کوشش کی کہ دین جزیرۃ العرب میں ایک ایسی انتشار پسند وانتشار انگیز تحریک پیدا ہو جس سے اسلام کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ایمانی وحدت، اعتقادی وحدت، ذہنی وحدت، قلبی وحدت اور اخلاقی وحدت ختم ہو جائے، یہ فتنہ شروع ہوا، جو لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے، اور نماز ادا کرتے تھے، زکوٰۃ کے بارہ میں ایک گروہ اس کی فرضیت کا بالکل منکر ہو گیا اور اس نے نماز و زکوٰۃ میں تفریق کی، دوسرے فریق نے کہا کہ ہم زکوٰۃ بیت المال کو ادا نہیں کریں گے، بلکہ اپنے طور پر اس کی ادائیگی کا انتظام خود کر لیا کریں گے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے اولوالعزم صحابی کو بھی تأمل تھا، اور یہ تأمل ان کے احتیاط اور تقویٰ پر مبنی تھا، نہ کہ کسی کمزوری کی وجہ سے کہ جب یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں، اور اسلام کا انکار بھی نہیں کرتے تو ان سے جنگ کیسے کی جائے؟ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا "واللہ لأقاتلن من فرق بین الصلاۃ والزکوٰۃ، فان الزکوٰۃ حق المال" (بخدا میں اس سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے بارے میں مختلف رویہ اختیار کرے گا کہ نماز پڑھے گا اور زکوٰۃ نہ دے گا، اس لیے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ "ایک رتی بھی اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں دیا کرتا تھا، اگر نہ دے گا تو میں اس سے بھی جنگ کروں گا" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک طرف تھے، اور اچھے اچھے لوگوں کو تامل تھا، یہ خالص الہامی بات تھی، اللہ کو دین کو چونکہ باقی رکھنا تھا، لہٰذا انہوں نے کہا کہ نہیں یہ نہیں ہو سکتا، اگر اس میں تساہل برتا گیا، اور زکوٰۃ کے بارے میں ڈھیل دی گئی تو کل حج کی باری ہے، اس کے بعد روزہ کی باری ہے، پھر نماز کی باری ہے، اور پھر عقیدہ کی باری ہے، اور یہ سلسلہ رکتا نہیں، انہوں نے دنیا کی تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا تھا، لیکن یہ الہامی بات تھی جو خدا نے ان کے دل میں ڈالی تھی، کیونکہ اس دین کو اللہ تعالیٰ کو قیامت تک باقی رکھنا تھا، کیسی کیسی قوموں کو اس میں داخل کرنا تھا، کن کن بلندیوں تک اس کو پہونچانا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اگر اس وقت ذرا بھی تساہل برتی گئی اور ذرا بھی رعایت کی گئی تو دین باقی نہ رہے گا، اور وہ بالکل ادیانِ سابقہ عیسائیت اور یہودیت کی طرح محرّف ہو کر رہ جائے گا، چنانچہ وہ اپنے موقف پر اڑ گئے اور انہوں نے جہاد کیا اور اس جہاد میں خود بھی جانے کا ارادہ کیا، لیکن سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جا کر رکاب تھام لی کہ ہم آپ کو جانے نہیں دیں گے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلوص اور محبت کی کھلی ہوئی دلیل ہے، انہوں نے یہ خیال کیا کہ اگر خدانخواستہ کوئی واقعہ پیش آ گیا تو اسلام کے شیرازہ کو مجتمع کرنے والی کوئی طاقت نہیں، یہ خلوص کی اعلیٰ ترین مثال ہے، حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات مان لی اور حضرت خالد بن ولیدؓ، بہت سے صحابہ اور حفاظ قرآن کو جنگ کے لیے روانہ کیا، اتنی بڑی تعداد میں حفاظ قرآن کو بھیجا کہ ڈر ہوا کہ اگر یہ حفاظ جنگ میں کام آ گئے تو یہ قرآن کیسے باقی رہے گا؟ لیکن وہ اَڑ گئے، خدا کی مدد اُن کے ساتھ تھی، جس کا نتیجہ ہوا کہ فتنۂ ارتداد ختم ہوا، دعویداران نبوت مارے گئے اور اب یہ واقعہ صرف تاریخ کی ایک امانت رہ گیا ہے، وہ بھی پڑھے لکھے لوگوں کے لیے، بہت سے لوگ شاید ایسے ہوں گے جو پہلی مرتبہ اس واقعہ کا ذکر سن رہے ہوں گے۔

ہم اس واقعہ کی اہمیت اور اس کی سنگینی کا اندازہ نہیں کر سکتے، وہ عرب جو اسلام سے قریب العہد تھا، ابھی اللہ کے رسولؐ نے وفات پائی تھی، اور دنیا سے آخرت کا سفر فرمایا تھا، ایک طرف رومن امپائر تھا، جو تقریباً نصف متمدن دنیا پر قابض تھا، دوسری طرف ساسانی سلطنت تھی، پھر عیسائیت، یہودیت اور مجوسیت جیسے مذاہب تھے، اور یہاں ہندوستان میں ہندو مذہب اور بودھ مذہب تھا، ان سب کی موجودگی میں اسلام اپنی اصل شکل میں کیسے باقی رہا، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کارنامہ ہے، اور یہ کارنامہ خلافت نبوت کا مظہر اوّل ہے، انہوں نے کہا خواہ کچھ ہو، میں دین کے ایک نقطہ سے دست بردار ہونے کے لیے بھی تیار نہیں ہوں، نتیجہ یہ ہوا کہ آج وہ دین اسی شکل میں باقی ہے، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ دوسرے مذاہب کا کیا حال ہوا، میں اس وقت صرف دنیا کے ایک وسیع ترین مذہب عیسائیت کا ذکر کروں گا [ملاحظہ ہو: تاریخ دعوت وعزیمت حصہ اول کا مقدمہ، ص ۲۰-۲۶]۔

یہ عیسائیت جس کا دنیا میں ڈنکا بج رہا ہے اور جو دنیا کے متمدن ترین اور ترقی یافتہ خطوں میں حکومت کر چکی ہے، بحیثیت مذہب کے بھی اور بحیثیت اپنے علمبرداروں کے بھی، اس عیسائیت کا یہ حال ہے کہ نصف صدی کی مدت کے اندر بھی یہ اپنی اصلی حالت پر قائم نہ رہ سکی، اب کتابیں نکل رہی ہیں، ابھی حال ہی میں Ernest De Bensen کی کتاب جس کا نام ہے Islam Or True Christianity شائع ہوئی ہے، اس میں صاف صاف لکھا ہے:

"موجودہ عیسائیت کسی بھی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی پیش کی ہوئی عیسائیت نہیں ہے، یہ وہ عیسائیت نہیں جس کی دعوت اور اشاعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کی تھی، یہ عیسائیت سینٹ پال کی بنائی ہوئی عیسائیت ہے"۔ [حوالہ سابق، ص/ ۱۲۸]

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ سینٹ پال اور حضرت مسیح علیہ السلام کے درمیان صرف ۶۰-۶۵ برس کا فصل ہے، ان چند برسوں میں عیسائیت کا یہ حال ہوا کہ اس نے رومی اثرات اور بودھ مذہب کے بہت سے تصورات قبول کر لیے، اور اگر آپ مذاہب کی انسائیکلوپیڈیا اور عیسائیت پر لکھی گئی دوسری کتابیں دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ عیسائیت نے رومی دیومالا اور بودھ مذہب کی کتنی چیزیں مثلاً تمثل، اتحاد وحلول کو اور کتنے ان عقائد ونظریات واقدار کو جو ہندوستان کے مذاہب سے تعلق رکھتے تھے، قبول کیا، اور بالکل محرف ہو کر رہ گئی اور برابر اسی راستہ پر چل رہی ہے۔

یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ اس نے عیسائیوں کے لیے ﴿الضَّالِّیْنَ﴾ کا لفظ استعمال کیا ہے، ضالین کے معنی کیا ہیں؟ آپ کلکتہ جانا چاہتے ہوں اور دہلی جانے والی گاڑی پر بیٹھ جائیں، یہ ہے ضلال، آپ بجائے اس جلسہ گاہ میں آنے کے ریلوے اسٹیشن چلے جائیں، اس کو کہتے ہیں راستہ بدل دینا اور پھر اسی راستہ پر چلتے رہنا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی جتنا زیادہ چلتا ہے منزل مقصود سے اتنا ہی دور ہوتا چلا جاتا ہے، عیسائیت تیز چلی اور اب تو ہوائی جہاز پر جا رہی ہے (ہوائی جہاز بھی اسی کے پیرؤوں کی دین ہے) تو یہ عیسائیت صرف زمین کے رقبہ میں نہیں اپنے مذہبی اور دینی سفر میں بھی ہوائی جہاز کی رفتار سے چلی، یعنی چل کر منزل مقصود سے دور نہیں ہوئی بلکہ اڑ کر دور ہوئی، آج کی موجودہ مسیحیت بالکل دوسری مسیحیت ہے، جس کو سینٹ پال کا تحفہ اور اس کی دین کہنا چاہئے، اور وجہ اس کی یہ ہے (مجھے معاف کیا جائے اور خدا بھی مجھے معاف کرے) کہ عیسوی مذہب کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا پاسبان اور خلیفہ نہیں ملا، اب یہ اللہ کی حکمت تھی، اور کوئی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اس کی ذات غنی ہے، اس نے حضرت مسیح علیہ السلام پر دوسرے بہت سے انعامات فرمائے، حضرت مسیح حضرت مسیح ہیں، ہمارا ان پر ایمان ہے، اور ان کی نبوت کا اقرار کیے بغیر ہم مسلمان نہیں ہو سکتے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے، اس کو چونکہ عیسائیت کو قیامت تک باقی رکھنا مقصود نہ تھا: ﴿لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ﴾ اس کے لیے کہا نہیں گیا: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ کی بشارت اس کو نہیں دی گئی، ایک یہودی عالم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: "اے امیر المؤمنین! ایک آیت قرآن مجید میں آپ آسانی سے پڑھ لیا کرتے ہیں، اگر کہیں وہ آیت ہم یہودیوں کے بارے میں نازل ہوتی تو ہم اس دن کو تہوار بنا لیتے، آپ نے فرمایا کون سی آیت؟ اس نے کہا: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ..الخ﴾ فرمایا کہ یہ آیت رکھے رکھائے تہواروں میں ہی نازل ہوئی تھی، یہ تو یوم عرفہ میں نازل ہوئی تھی، اور وہ دن بھی جمعہ کا تھا [بخاری ومسلم]، ہم لوگ اس طرح کے تہوار منانے

کے عادی نہیں، ہمارے یہاں یہ طریقہ رائج نہیں۔

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کارنامہ تھا کہ وہ دین کے ایک نقطہ کو بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ کرامات چاہے ایسی ہوں کہ آدمی ہوا میں اڑے، اور زبان ایسی ہو کہ جو بات نکلے پوری ہو جائے، اور نظر ایسی کہ جس پر پڑے مسلمان ہو جائے اور ولی کا درجہ پائے، سب چیزیں اپنی جگہ مسلّم اور قابلِ اعتراف ہیں، مگر جہاں تک دین کے باقی رہنے کا تعلق ہے، تو سب سے اہم اور بنیادی چیز جو ہے وہ یہ کہ اس کے بارے میں غیرت اور اس کی حفاظت کا جذبہ سب پر غالب ہو، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان تھی، اور اس میں وہ ساری امت میں ممتاز ہیں، کسی دوسرے مسئلہ میں کسی کا وصف ان سے نمایاں ہو، اس سے انکار نہیں کرتا، لیکن اس معاملہ میں ان کا کوئی مثیل نہیں۔

آپ کا دوسرا نمونہ یہ ہے کہ جس وقت آپ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری خواہشات اور تمناؤں میں یہ بات شامل تھی کہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے بھیجیں، ادھر فتنۂ ارتداد پھیلا ہوا تھا، اور صرف دو تین مقامات ایسے بچے تھے جہاں نماز ہو رہی تھی، پورا جزیرۃ العرب خطرہ میں اور ارتداد کی زد پر تھا، اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر یہ ارتداد کچھ اور پھیلا تو پورا جزیرۃ العرب اسلام کی دولت سے محروم ہو جائے گا، اور مسلمانوں کی جو کچھ بھی فوجی طاقت تھی، وہ جیشِ اُسامہ میں تھی، اور یہ وہ لشکر تھا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رومیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار کیا تھا، لیکن اس کو بھیجنے کی نوبت نہیں آئی، اور آپ اس دنیا سے رحلت فرما گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس نازک موقعہ پر فرمایا کہ میں یہ لشکر بھیجوں گا، کبار صحابہؓ نے سمجھایا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ! یہ وقت اس لشکر کے بھیجنے کا نہیں، کیونکہ جو کچھ بھی ہمارے پاس فوجی طاقت ہے وہ یہی لشکر ہے، اگر اس لشکر نے مدینہ سے باہر قدم رکھا تو یہ قبائل جو ہماری تاک میں ہیں ہم پر حملہ آور ہو جائیں گے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں اس لشکر کو روانہ کر کے رہوں گا، اس لیے کہ حضورؐ کی یہ تمنا اور وصیت تھی، اور میں اس کو پورا کر کے رہوں گا، اس کے بعد ایسے الفاظ کہے جن کو میں آپ کے سامنے صاف طریقے سے بیان نہیں کر سکتا، یعنی یہاں تک کہہ دیا کہ ہمارے گھروں اور گھر والوں کی سلامتی اور حفاظت پر بھی اثر پڑ جائے اور وہ خطرہ میں پڑ جائیں جب بھی میں اس وصیت پر عمل کر کے رہوں گا، اس لیے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی ساری نصرت اور اس کی قدرت کاملہ کا ظہور اور نظامِ عالم کو بدل دینے کی اس کی عادت اور سنت ظاہر ہوتی ہے نبیؐ کے منشاء کی تکمیل کی صورت میں، نہ کہ اس کو ملتوی رکھنے میں، یہ ان کا دین کا فہم تھا اور قرآن مجید کا مطالعہ۔

چنانچہ یہ واقعہ تاریخ میں ہے کہ ادھر اس لشکر نے مدینہ طیبہ سے قدم نکالا اور ادھر سارے عرب قبائل پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی کہ اوہو، اب بھی مسلمانوں کے یہ دم خم ہیں کہ ان حالات میں بھی رومیوں سے آنکھیں ملانے کے لیے تیار ہیں، اور لشکر جا رہا ہے، ہم لوگ کیا ہیں، ہم غیر منظم قبائل ہیں، ہمارے پاس وہ ہتھیار بھی نہیں، وہ عسکری تنظیم بھی ہم نہیں جانتے، جب وہ رومیوں سے لڑ سکتے ہیں تو ہم کیا چیز ہیں، ان پر دھاک بیٹھ گئی اور بالکل الٹا اثر ہوا۔

یہ ہے اخلاص کا نتیجہ اور یہ ہے دین کے فہم اور حقیقی نیابت، نبوت کا کارنامہ، کہ سب ڈر رہے تھے، بڑے بڑے صحابہ ڈر رہے تھے، یا اللہ خیر کرے، ابوبکرؓ مانتے نہیں، اُسامہؓ کا لشکر باہر بھیج رہے ہیں، وہ باہر نکلا تو لوگ سمجھیں گے کہ اب یہ لوگ بالکل لاوارث ہیں، کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں، اس سے بہتر موقعہ ہو نہیں سکتا اور وہ مدینہ پر چڑھائی کر دیں گے، لیکن اس کا بالکل الٹا اثر ہوا اور تمام مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ پورے عرب پر دھاک بیٹھ گئی اور سہم گئے۔

یہ تھی پہلی بات اور دیکھئے یہی ہے تقدیر الٰہی، اور ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ سے میں اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہوں، آپ روز سورج کو مشرق سے نکلتے اور مغرب میں ڈوبتے دیکھتے ہیں، یہی تنہا اللہ کے قہار ہونے اور حکیم و غالب ہونے کی دلیل نہیں، بلکہ یہ بھی ہے کہ آفتاب رسالت کے اللہ تعالیٰ نے جو منازل مقرر کئے اور جن منازل سے اس کو گزارا، اور جس طرح اس نے دین کو تکمیل تک پہونچایا، اور جس طرح اس کے جانشین مہیا کئے اور اپنے نبی کو جو خلفاء دیے یہ بھی ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ کا مظہر ہے۔

اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کام پورا ہوا اور فتنۂ ارتداد ایسا ختم ہوا کہ آج صرف تاریخ میں اس کا نشان باقی ہے، یہ صرف اللہ کی قدرت تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عزیمت جو اللہ ہی کی دی ہوئی تھی، اور اس کے نبی کی تربیت کی ہوئی تھی کہ وہ ارتداد کا فتنہ ختم ہو گیا، ورنہ پورے جزیرۃ العرب کا نام تاریخ میں اس حیثیت سے آتا کہ وہاں تھوڑے دن کے لیے اسلام ظاہر ہوا تھا، اور وہاں ایک ایسی ہستی پیدا ہوئی تھی جو اپنے آپ کو نبی کہتی تھی، اور اس کے بعد کچھ دن وہ دین چلا، اور اس کی صرف ایک تاریخ رہ جاتی۔

(جاری)

مشعل راہ

دو وحدتیں

وحدت خداوندی اور وحدت انسانی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

امت مسلمہ کو ہم سب کے پروردگار، خالق و مالک کی طرف سے امت دعوت بنایا گیا ہے: ﴿کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (تم وہ بہتر امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، تم اچھی باتوں کی تلقین کرتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو) اس طرح اس امت کو پوری انسانیت کی صلاح و فلاح کا کام سپرد کیا گیا ہے، اس کو اس کے سیدنا خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ ہدایت دی گئی ہے کہ: "الا فلیبلغ الشاهد الغائب، فرب مبلغ أوعى من سامع" کہ (میری یہ ہدایات جو میں دے رہا ہوں یہاں موجود لوگ ان لوگوں کو بھی پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، کیونکہ بعض وقت وہ لوگ جن کو بات پہنچائی جاتی ہے بات کو سننے والے سے زیادہ سمجھنے اور ماننے والے ہو سکتے ہیں) اور فرمایا: "بلّغوا عنی ولو آية" کہ (میری طرف سے پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی ہو)، اور جبکہ امت مسلمہ کے افراد غیروں کی اکثریت والے علاقوں میں ہوں ان پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے۔

اسلام اللہ رب العالمین کا عطا کردہ مذہب ہے اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد توحید کے نظریہ پر ہے، توحید یعنی آپس کی وحدت، اور یہ وحدت دو طرح کی ہے، یہ نسلی بنیاد پر بھی ہے اور خدا کی تابعداری اور اطاعت کے لحاظ سے بھی ہے، نسلی لحاظ سے یہ وحدت اس طرح ہے کہ سب انسان ایک ماں باپ یعنی حضرت آدم اور حضرت حواء کی اولاد ہیں جن سے نسل انسانی کا آغاز ہوا، اور سب اسی ایک بڑے اور عالمی خاندان کے فرد ہوئے، اور اس طرح سب آپس میں بھائی بھائی ہوئے، اور اس طرح سب آپس میں برابر ہیں، کوئی بڑا یا چھوٹا نہیں، ہمارا بڑا یا چھوٹا ہونا ہمارے عمل کے اچھے یا برے ہونے کے لحاظ سے ہے رنگ اور نسل کے اعتبار سے نہیں ہے، اور اسی طرح ہم سب ایک خدا کے بندے ہیں، ہمارا پیدا کرنے والا اور ہمارا خدا یعنی اللہ رب العزت ایک ہے، ہم سب کو اور پوری کائنات کو اسی نے بنایا اور ہمارے اچھے اور برے کو وہی سب سے زیادہ جانتا ہے، لہٰذا بندوں کے اچھے اور برے عمل کا تعین اسی کے دیے ہوئے قانون کے تحت ہوگا، اور ہمارے لیے وہی کرنا مناسب ہے جو اسی خدائے واحد کے فرمان کے مطابق ہو، انسانوں کی یہ دو وحدتیں ہی انسانوں کو ادھر ادھر بھٹکنے سے بچا سکتی ہیں، ہم سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں، لہٰذا ہماری ان سب نسلوں کی اصل و بنیاد ایک ہے اور ہم ایک خدا کے بنائے ہوئے اور پیدا کیے ہوئے ہیں، لہٰذا ہم سب اسی ایک خدا کے ماتحت ہیں اور وہی ہمارے اچھے برے کو سب سے زیادہ جانتا ہے، اسی کے بتائے ہوئے طریقوں میں ہماری خیر اور کامیابی ہے۔

یہ وہ دو وحدتیں ہیں جن کی بنا پر انسان کی زندگی میں یکجہتی پیدا ہو سکتی ہے اور ان دونوں وحدتوں کی بنیاد پر انسان ادھر ادھر بھٹکنے سے بچ سکتا ہے، اور آپس میں اونچ نیچ اور ٹکراؤ سے محفوظ ہو سکتا ہے، لہٰذا زندگی کے معاملات میں اچھے اور برے طور طریقوں کو ماننے کے لیے اپنے اسی ایک خالق و مالک ہی کے فرمان کو اختیار کرنا ہوگا۔

اسلام میں اس وحدت انسانی اور وحدت خداوندی کے تحت ہم کو جو دستور حیات دیا گیا ہے اس کی دو اہم خصوصیات ایسی ہیں کہ کم از کم ہمارے علم و واقفیت میں وہ دوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتی ہیں، ایک تو یہ کہ اسلام کا یہ دستور حیات اس کے عطا کرنے والے کے ہی الفاظ میں اور اپنی اصل شکل میں بلا تغیر و تبدل باقی اور جاری ہے، یہ دستور حیات خدائے واحد کے الفاظ میں بھی ہے اور اس کی تفصیل و وضاحت اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی حالات اور زبانی وضاحتوں کی شکل میں بھی ہے اور پھر نبیؐ کے بعد آنے والوں نے ان کو بالکل ان ہی کی شکل میں باقی رکھا اور اپنی طرف سے نہ کچھ بڑھایا اور نہ گھٹایا، بلکہ اس کو بعینہٖ اسی طرح بیان کیا اور صرف اس کی حفاظت و وضاحت پر اکتفا کی، اور اس کی حفاظت میں صحت و امانت داری اور احتیاط اور اس کے بیان کرنے کے سلسلہ میں پوری تحقیق سے بھی کام لیا، اور انھوں نے یہ کام بڑی محنت سے کیا، کہیں پر اگر سمجھنے یا سمجھانے کے

لحاظ سے فرق محسوس ہوا تو اس فرق کو بھی واضح کردیا تاکہ شک شبہ کی گنجائش نہ رہ جائے، اس طرح اسلام کی تعلیمات اپنے اولین سرمایہ کے مطابق بے کم وکاست صحیح صحیح پوری طرح محفوظ رہیں اور برابر محفوظ ہیں۔

اسلام کی اس مذکورہ خصوصیت کے ساتھ دوسری بڑی اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تعلیمات انسانی زندگی کے صرف عقیدہ وعبادت تک ہی محدود نہیں رکھی گئیں جیسا کہ عام طور پر دوسرے مذاہب میں ہے، بلکہ عقیدہ وعبادت کے ساتھ سماجی اور مالی معاملات اور تمدنی ضروریات تک وسیع رکھی گئی ہیں، اس طرح انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں ہم کو اسلام کی طرف سے صحیح اور مفید ہدایات نہ دی گئی ہوں، گھر کے اندر شوہر بیوی اور ان کی اولاد کے معاملات ہوں یا بازار میں خرید وفروخت اور مالی لین دین کے ہوں یا غیروں کے آپسی معاملات ہوں، ہم وطن، ہم مذہب ہوں یا دوسرے مذہب کے ہوں، سیاست ہو، حکمرانی کے سلسلہ کے معاملات ہوں، حکومت اپنی ہو یا غیروں کی ہو، ان سب میں اسلامی تعلیمات اور ان کے احکام ایسے معتدل اور متوازن انداز کی رہنمائی کرتے ہیں کہ ان سے آپس میں ہمدردی، تعاون اور خیر خواہی اور انسانیت نوازی پوری جھلکتی ہے، اس طرح اسلام انسانیت کے اعلیٰ معیار کا طریقہ کار بن جاتا ہے، اور انسانیت جب حالات کی خرابی کے اثر سے اپنی باعزت سطح سے گر جائے تو اس کو اس سطح سے اٹھا کر اس کی اعلیٰ سطح تک پہنچانے کے لیے سیڑھی کا کام انجام دے سکتا ہے۔

مگر افسوس یہ ہے کہ اسلام کی ان اعلیٰ اور انسانیت نواز صفات وتعلیمات کا عام طور پر مطالعہ نہیں کیا گیا، صرف اپنے پاس پڑوس کے ان مسلمانوں کو دیکھ کر- جو خود اسلامی تعلیمات سے واقفیت حاصل نہ کرسکنے کی بنا پر اپنے پڑوسیوں کو دیکھ کر اپنی زندگی کو ان ہی جیسی زندگی کی طرح گذارنے لگے- رائے قائم کی جارہی ہے، ضرورت ہے کہ اسلام کی ان خوبیوں کو جو انسانیت کے لیے ذریعہ راحت وسہولت اور ذریعہ عزت اور اعلیٰ اخلاق کی حامل ہیں، اور وہ سب قرآن وحدیث سے جو کہ محفوظ ومعتمد سرمایہ ہیں، ماخوذ ہیں لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان غلط فہمیوں کو دور کیا جائے جو اسلام کے متبعین یا واقف لوگوں میں نہیں ہوسکتی ہیں۔

اس کے لیے خود اپنوں کو اور غیروں کو ان تعلیمات سے واقف کرانے کے لیے جلسے اور کانفرنسیں اور میڈیا ایک بہترین ذریعہ ثابت ہوسکتے ہیں، ان میں جدید تعلیم یافتہ دانشوروں کو اور اسلامی تعلیمات کی بنیادی سطح سے مہارت کی سطح تک واقفیت پیدا کرنے والے حضرات- جو معتمد درجہ کے علماء دین میں ہیں- کو بھی مدعو کیا جاتا ہے، ان دونوں طبقوں کے یکجا ہوکر اسلام کی انسانیت نوازی اور انسانی زندگی کے لیے اس کے خیر طلبی اور ہمدردی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرنا بہت مفید ہوسکتا ہے، اور اس طرح دونوں طبقوں کی مشترکہ کوشش سے دین وملت ودعوت کی خدمت کا کام بہت اچھے انداز سے انجام دیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

اپنی مدد آپ کرو!

ایک صاحب آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کچھ امداد کے طالب ہوئے، آنحضرتؐ نے ان کو نہ خود اپنے پاس سے کچھ دینے کی کوشش کی اور نہ دوسروں سے کچھ دلوایا، بلکہ ضرورت مند صاحب سے دریافت فرمایا: تمہارے پاس کوئی چیز بھی ہے؟ وہ بے چارے اتنے غریب ونادار تھے کہ جواب میں انہوں نے عرض کیا: میرے پاس صرف ایک ٹاٹ ہے جس کے ایک حصہ کو اوڑھ لیتا ہوں اور دوسرے کو بچھاتا ہوں، اس کے سوا ایک پیالہ بھی ہے، جس میں پانی پیتا ہوں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جاؤ اسی پیالے اور ٹاٹ کو لے آؤ، وہ صاحب اپنا ٹاٹ اور پیالہ لے کر آئے، دیکھنے والوں نے دیکھا اور دنیا دنگ رہ گئی کہ آنحضرتؐ خود اس پیالہ اور ٹاٹ کو اپنے ہاتھ میں لے اس کا نیلام کرنے کھڑے ہوئے اور پکارنے لگے: "من یشتری ھذین؟" ان دونوں کو کون خریدتا ہے؟ ایک صاحب نے کہا: "انا آخذ ھما بدرھم" ایک درہم میں لیتا ہوں، نیلام کرنے والے (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر حاضرین کو مخاطب کیا: من یزید علی درھم؟ ایک درہم پر اضافہ کون کرتا ہے؟ اور لوگوں کو اس طرف توجہ دلوائی، بالآخر دو درہم پر بولی ختم ہوگئی، خریدار کو ٹاٹ اور پیالہ دے دیا گیا اور دو درہم جو قیمت میں وصول ہوئے تھے، وہ حاجتمند انصاری کے حوالے کرکے آپؐ نے ارشاد فرمایا: ایک درہم سے اناج خرید لینا اور اپنے گھر والوں کو دے دینا اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ۔

حضرت انسؓ جو اس روایت کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ جس وقت انصاری نے کلہاڑی لاکر آنحضرتؐ کو دی تو آپ حضرتؐ نے فرمایا: اس کلہاڑی کو لے جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کاٹ کر لاؤ اور اس کو بیچو اور پندرہ روز کے بعد پھر مجھ سے ملنا، وہ چلے گئے اور پندرہ دن بعد جب خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو وہ آنحضرتؐ سے کہہ رہے تھے کہ ان پندرہ دنوں میں دس درہم آمدنی ہوئی، جن میں سے چند درہم کے تو کپڑے خریدے گئے اور چند درہم کا غلہ مول لیا گیا، انصاری کی یہ رپورٹ سن کر آنحضرتؐ کا چہرہ مبارک دمک اٹھا اور فرمایا: یہ بہتر ہے اس سے کہ قیامت کے روز بھیک کا داغ اپنے چہرے پر لگائے ہوئے آؤ۔

☆☆☆

سبق آموز

میری موت - عبرتناک واقعہ

تحریر: شیخ علی طنطاویؒ

میری موت دنیا کا کوئی عجیب وغریب واقعہ نہیں ہے، کیونکہ مرنا تو بہر حال ہر جاندار کو ہے، البتہ میری موت اس لیے تعجب خیز بن گئی ہے کہ میں ایک دفعہ مرنے کے بعد پھر اس دنیائے فانی کی طرف لوٹ آیا، شاید اس لیے کہ دنیا والوں کو اس عجیب موت کی داستان سناؤں۔

میری زندگانی کا یہ عجیب وغریب واقعہ دو مہینے قبل بیروت میں سمندر کے ساحل پر پیش آیا، سمندر میں اس وقت زبردست تلاطم تھا، موجیں اونچے اونچے ٹیلوں تک بلند ہوکر ساحل پر عجیب ہیجانی کیفیت پیدا کررہی تھیں، لوگ اس ہولناک منظر سے خوفزدہ ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے تھے، دور دور تک سمندر کے کنارے چند آدمیوں کے علاوہ کوئی نظر نہ آتا تھا۔

مجھے تیرنا بھی نہ آتا تھا، اتنا ضرور تھا، ۳۰، ۳۵ سال پہلے ایک استاد سے جنھیں خود بھی کبھی تیرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، صرف اتنا سیکھا تھا کہ سینے تک پانی میں کھڑے ہوکر ہاتھ پیر پٹخنے اور سمندر کا کھاری پانی کافی مقدار میں پی جانے سے تیرنا آجاتا ہے، میرے ساتھ اس وقت جامعہ زیتون کے ایک نوجوان تیونسی فاضل بھی تھے، وہ بھی ٹھیک سے تیرنا نہیں جانتے تھے۔

ہم دونوں یہاں نہانے کے لیے آئے تھے، لیکن ساحل پر غسل کرنے والوں اور کرنے والیوں کی عریانی اور بے حیائی کے اخلاق سوز مناظر کی تاب نہ لاسکے، ہم نے یہاں سے ہٹ کر کسی ایک محفوظ اور الگ تھلگ مقام پر پانی میں اترنے کا فیصلہ کیا، یہ جگہ ایک بڑی گول چٹان کے بیچ میں واقع ہونے کی وجہ سے ایک بند سمندر یا جھیل کی شکل بن گئی تھی، یہ جگہ سمندر کی تلاطم خیز موجوں کی رسائی سے بھی محفوظ تھی، یہاں پانی تالاب کا جیسا پرسکون تھا، جس میں کسی بچے کے بھی ڈوبنے کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے۔

غرضیکہ ہم دونوں نے یہاں نہانا شروع کیا، میں نے پہلے تیراکی کی مشق شروع کی، کافی دیر تک پانی میں ہاتھ پیر مارتا رہا، اس سے زیادہ میں اور کر بھی کیا سکتا تھا، کیونکہ میں نے اس فن میں صرف اتنا ہی سیکھا تھا، جب تھک گیا تو باہر آکر دھوپ اور ہوا سے لطف اندوز ہونے لگا، اس وقت میری صحت بہت اچھی تھی، نشاط اور چستی کی بنا پر میں اچھلتا رہتا تھا، گویا زمین خود مجھے اچھلنے کودنے پر مجبور کررہی تھی، ان حالات میں موت مجھے بہت دور معلوم ہوتی تھی، ذہن ودماغ کے کسی گوشے میں موت کا تصور بھی نہ آتا تھا، حالانکہ موت انسان سے قریب ترین شے ہے، وہ اپنے دائیں بائیں، آگے پیچھے، ہر چہار طرف موت سے گھرا ہوا ہے، لیکن ہم ہمیشہ اس حقیقت کو بھلا دیتے ہیں۔

کچھ دیر تک دم لینے کے بعد میں دوبارہ پانی میں اترا، اس مرتبہ کچھ زیادہ دیر تک تیراکی کی مشق جاری رہی، کبھی ہاتھوں کو چلاتا، کبھی پیروں کو زمین سے اٹھانے کی کوشش کرتا، اس کوشش میں مجھے یہ احساس نہ ہوسکا کہ میں ایک بالشت آگے بڑھتا جارہا ہوں، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ میں اس محفوظ تالاب سے نکل کر سمندر میں پہنچ گیا۔

میں نے زمین پر پیر ٹکانے کی کوشش کی، لیکن زمین غائب ہوچکی تھی، سر اٹھا کر اوپر دیکھنا چاہا تو کچھ بھی دکھائی نہ دیا اور سانس لینے کے لیے ہوا بھی نہ مل سکی میں نے محسوس کیا کہ کھاری اور سخت نمکین پانی منھ اور ناک میں گھسا جارہا ہے، شدید درد وکرب کی کیفیت شروع ہوگئی، تکلیف صرف سر اور پیٹ ہی میں نہ تھی، بلکہ جسم کے روئیں روئیں میں بے چینی اور اضطراب محسوس ہورہا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ میرے اوپر پتھر کی بھاری چٹان ڈھکیل دی گئی ہے اور اس کے نیچے سے مجھے اس طرح کھینچا جارہا ہے جیسے کانٹوں میں پھنسے ہوئے ریشم کے دھاگے نکالے جاتے ہیں، اس وقت میرے لیے دنیا کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ہوا کا ایک جھونکا نصیب ہوجائے تاکہ سانس لے سکوں، میں نے دل میں کہا: غالباً یہی میری موت ہے، جس کے بارے میں گفتگو تک کرنے سے میں بچا کرتا تھا اور جسے دنیا میں سب سے دور اور انہونی چیز سمجھتا تھا، اسی لئے توبہ واستغفار کو روزانہ ٹالتا رہتا تھا، کبھی کہتا تھا کہ جوان ہوکر توبہ کرلوں گا، جب جوان ہوا تو سوچا کہ چالیس سال کی عمر میں توبہ کرلوں گا، جب چالیس سال کی عمر ہوئی تو دل نے کہا: مکان بنوانے کے بعد توبہ کروں گا، لیکن جب مکان تیار ہوا تو میں نے کہا کہ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد توبہ کروں گا، اور خدا کے سامنے خوب گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ

لوں گا، گویا میں نے ملک الموت سے وعدہ لے لیا تھا کہ ریٹائر ہونے سے پہلے مجھے موت نہیں آئے گی، لیکن وہ تو اچانک بلا اطلاع آ گئی۔

میرے ذہن میں سب سے پہلے یہ خیال آیا کہ میں آسان اور فوری موت کی تمنا کیا کرتا تھا، کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نے خود ہی اپنی موت کو دعوت دی ہو اور اس کے بنا پر میں خودکشی (معاذ اللہ) کا مرتکب قرار دیا جاؤں، میں نے سوچنا شروع کیا کہ میں پانی میں کس طرح داخل ہوا تھا، لیکن یادداشت جواب دینے لگی، معلوم ہوتا تھا کہ یہ ابھی چند منٹ قبل کا واقعہ نہیں ہے، بلکہ اس کو سو برس سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، دنیا مجھے چھوٹی نظر آنے لگی جیسے ہوائی جہاز پر اڑنے والے کو زمین کی ہر چیز چھوٹی دکھائی دینے لگتی ہے، جس شخص کو بھی جلدی میں ٹرین پر سوار ہونا ہوتا ہے، اسے گرد و پیش کی رعنائیوں، مناظر کی دل فریبیوں اور راستے میں ہونے والی رنگینیوں سے کیا؟ اسے تو بس کسی طرح جلدی سے اسٹیشن پہونچنے اور ٹرین پکڑنے کی فکر ہوتی ہے، بالکل اسی طرح جو شخص موت کو سامنے دیکھ رہا ہو اسے دنیا کی دل فریبیوں سے لطف اندوز ہونے کی فرصت نہیں ہوتی۔

خدا گواہ ہے کہ اس وقت دنیا میری نظروں سے اوجھل ہو رہی تھی، بیوی بچوں تک کا خیال ذہن سے نکل چکا تھا، آپ افسانوں میں پڑھتے ہوں گے کہ ڈوبنے والے کو اپنے دوست احباب، کاروبار علم و ادب کی دلچسپیاں، شعر و نغمہ اور تصنیف و تالیف کا خیال ستاتا ہے، وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ میرے بعد میرے بارے میں لوگ کیا رائے قائم کریں گے، لیکن نہیں، آپ اس طرح کی باتوں پر ہرگز یقین نہ کیجیے، کم از کم مسلمان کو ایسی حالت میں اپنے مستقبل کے علاوہ کسی بات کی فکر نہیں ہوتی ہے۔

میں سوچنے لگا کہ اس وقت کیا کرنا چاہیے، پہلے میں نے کلمۂ شہادت پڑھنے اور توبہ و استغفار کرنے کی کوشش کی، لیکن میں زبان بھی نہیں ہلا سکا، کیونکہ منھ میں پانی بھرا ہوا تھا، مجھے شدید تکلیفوں کا سامنا تھا، لیکن اس کے باوجود میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹا نہیں تھا، میں عجیب امید و بیم میں مبتلا تھا، کبھی موت کی دہشت طاری ہوتی تھی، کیونکہ میرے نامۂ اعمال میں کوئی بھی تو ایسا عمل نہ تھا، جسے لے کر خدا کے حضور حاضر ہو سکوں، کبھی یہ خواہش ہوتی تھی کہ کاش! اس وقت مجھے دنیا اور اس کی آلودگیوں سے چھٹکارا نصیب ہو جاتا کیونکہ مجھے توقع تھی کہ اس وقت کی موت بحالت ایمان ہوگی، بہر حال موت میرے لیے اس وقت بالکل اچانک تھی جیسے کسی سست اور ٹالو طالب علم کے لیے امتحان اچانک اور خلاف توقع سر پر آ جاتا ہے، وہ روزانہ یہ سوچتا ہے کہ ابھی تو امتحان بہت دور ہے، لیکن امتحان ایک دم سے سر پر آ جاتا ہے تو اس کو حیرت و کف افسوس ملنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے، میں نے غور کیا تو میری پوری زندگی میں صرف چند لمحے ایسے نظر آئے جس میں میرا دل ایمان کی حلاوت سے معمور تھا اور جن میں خلوص نیت کے ساتھ میں خدا کی طرف متوجہ ہوتا تھا، لیکن اس کے برعکس زندگی کی وہ طویل مدت تھی جو غفلتوں اور گناہوں کے سمندر میں گزری تھی، میں ناواقفیت کی وجہ سے اس دھوکہ میں مبتلا تھا کہ زمانہ ابھی عرصۂ دراز تک میرا ساتھ دے گا، مجھے کیا معلوم تھا کہ زندگی اتنی مختصر ہے۔

مجھے حدیث نبوی کے وہ زریں الفاظ یاد آنے لگے جو بچپن میں میں نے زبانی یاد کیے تھے:

"اغتنم خمساً قبل خمس: ١- شبابك قبل هرمك ٢- وصحتك قبل سقمك ٣- وفراغك قبل شغلك ٤- وغناك قبل فقرك ٥- وحياتك قبل موتك". (پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کی قدر کرو: جوانی کی بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کی بیماری سے پہلے، فرصت کی مصروفیت سے پہلے، خوشحالی کی غریبی سے پہلے اور زندگی کی موت سے پہلے)۔

مجھے سخت ندامت تھی کہ میں نے ان زریں نصیحتوں کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے کیوں نہ رکھا اور انھیں اپنی زندگی کا نظام کیوں نہ بنالیا، افسوس ہے کہ اس نصیحت کی حقیقت اب سمجھ میں آئی جب میری زندگی ختم ہو چکی ہے۔

زندگی میں جو چیزیں مجھے بہت زیادہ عزیز تھیں اور جن کے حصول کے لیے دوسروں سے مجھے لڑنا پڑا تھا، ان میں کسی چیز میں بھی اب میرے لیے کوئی کشش نہ رہ گئی تھی، کوئی چیز میں اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا تھا، میں نے کس حوصلے سے اپنا گھر بنوایا تھا، لیکن اب اس میں سے پتھر کا ایک ٹکڑا بھی میرے ساتھ نہ تھا، مال و دولت جو کچھ بھی زندگی بھر کمایا تھا، کچھ میرے کام آنے والا نہ تھا، ہاں! اس میں سے صرف وہ رقم جسے میں سمجھتا تھا کہ ضائع ہو چکی ہے وہی اس وقت میرے کام کی تھی، یعنی جو کچھ میں نے خدا کی راہ میں خرچ کیا تھا اس کے سوا کچھ بھی میری ملکیت نہ تھی، میرے ہزاروں مقالات جو میں نے دسیوں برس میں لکھے تھے اور جن کو پڑھ کر لاکھوں کروڑوں آدمی (بقول انھیں کے) مجھ سے متاثر ہوئے تھے، لیکن میری تحریروں پر سر دھننے والے سب کے سب اس وقت غائب تھے، کوئی بھی میری مدد کے لیے دکھائی نہ دیتا تھا، ان تحریروں میں سے بھی صرف وہی چند جملے مجھے اپنے حق میں مفید معلوم ہو رہے تھے جو میں نے خدا کی رضا جوئی کے لیے لکھے تھے، زندگی میں بڑے مزے لوٹے تھے، لیکن اب زندگی کی کوئی لذت بھی ہاتھ میں نہ رہ گئی تھی، میں ڈوب رہا تھا اور دنیا مجھ سے منھ موڑ رہی تھی۔

میں نے خدا سے لو لگائی اور اس کی رحمت و مغفرت کا تصور آنے لگا اس حالت میں بھی میرے اوپر امید اور زندگی کی محبت غالب آتی تو میں ہاتھوں اور پیروں کو حرکت دینے لگتا، کبھی ہاتھ اوپر اٹھا کر اشارے کرنے کی کوشش کرتا، پھر مایوسی کا غلبہ ہوتا تو اپنے خدا کے سپرد کر دیتا۔

میں سمجھتا تھا کہ اس حالت میں میرے اوپر کئی گھنٹے گزر گئے ہیں، لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ دو منٹ سے زیادہ یہ کیفیت نہیں رہی، بس اتنی سی دیر میں یہ تمام تکلیفیں اور یہ تمام افکار میرے ذہن میں گزر گئے۔

یہ بھی قدرت کی کرشمہ سازیوں کا ایک عجیب نمونہ ہے کہ آدمی خواب کی حالت میں بیس برس کے واقعات صرف پانچ منٹ کے وقفے میں دیکھ لیتا ہے۔

بالآخر میرے ہاتھ پیر جواب دینے لگے اور میں سمندر کی گہرائیوں میں دھنسنے لگا تاکہ پھر کبھی پانی کے اوپر نہ ابھر سکوں، مجھے محسوس ہوا کہ کچھ لوگ مجھے پکار رہے ہیں، میرے ہاتھ سے کوئی سخت چیز ٹکرائی وہ دراصل کشتی کا ایک کونہ تھا، اس وقت مجھے جو خوشی حاصل ہوئی وہ بیان سے باہر ہے، پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی مجھے پکڑ کر کشتی کی طرف اٹھا رہا ہے، پھر کچھ دیر کے لیے مجھے ہوش نہ رہا، بچانے والوں نے میرے دونوں پیر پکڑ کر الٹا لٹکا دیا تاکہ پیٹ میں جو پانی بھر گیا ہے وہ نکل جائے۔

مجھے نئی زندگی ملی اور ایک قیمتی نصیحت، جسے میں ہمیشہ یاد رکھوں گا، میں نے زندگی کی قیمت اور موت کی حقیقت سمجھ لی، واقعہ یہ ہے کہ ہم موت کی حقیقت سے پوری طرح واقف نہیں ہیں، ہم اسے عدم سمجھتے ہیں، اس لیے کسی عزیز یا دوست کو قبر میں اتارتے وقت نوحہ کرتے ہیں، حالانکہ ہمارا محبوب وہ نہیں ہوتا جسے ہم قبر میں اتار آئے ہیں، بلکہ اس کا جسم ہوتا ہے، اور جسم ایک پرانا کپڑا ہے جسے موت اتار پھینکتی ہے جیسے سانپ اپنی کیچل جھاڑ دیتا ہے، تو کیا کسی پرانے کپڑے کے لیے جو جسم پر سے اتار پھینکا جائے، رونا مناسب ہے؟

موت ایک مختصر زندگی سے منتقل ہو کر ایک وسیع اور ابدی زندگی کی منزل میں قدم رکھنے کا نام ہے، ابدی نعمت یا دائمی کلفت، اگر موت عدم یا فنا ہونے کا نام ہوتا تو یقیناً یہ ایک بڑی نعمت ہوتی
ے

ولو أنا اذا متنا تركنا
لكان الموت راحة كل حي
ولكنا اذا متنا بعثنا
ونسأل بعدها عن كل شي

(اگر مرنے کے بعد ہمیں چھٹکارا مل جائے تو موت ہمارے لئے باعث راحت ہے، لیکن موت کے بعد ہمیں پھر اٹھایا جائے گا اور پھر ہمارے ہر عمل کی باز پرس کی جائے گی)۔

جب موت ایک ضروری سفر کا نام ہے تو عقلمند آدمی کو اس کے لیے پہلے سے تیاری کر لینی چاہئے اور راہ اور سواری کا انتظام کر لینا چاہیے، اسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے تاکہ اس کا خیال ذہن سے محو نہ ہو جائے، انسان کو اپنی ہر چیز پر نظر رکھنی چاہیے تاکہ جو چیزیں اس طویل سفر میں ساتھ لے جانے والی ہوں، ان کے حصول کی فکر کرے اور جو چیزیں دنیا ہی میں چھوڑ دینا پڑیں گی، ان کی طرف مائل نہ ہو اور ان سے کنارہ کش ہو جائے۔

☆☆☆☆☆

حضرت حسن بصریؒ کا مومن کی کیفیت بیان کرنا

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں: مومن دنیا میں اپنے نفس کا نگراں ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کا محاسبہ کرتا رہتا ہے اور یقیناً جو دنیا میں اپنا محاسبہ جاری رکھتا ہے، قیامت میں اس کے لیے حساب و کتاب میں آسانی ہوگی، اور جو اس معاملہ میں دنیا میں سستی کا برتاؤ کرتا ہے اور اپنے محاسبہ میں کاہلی دکھلاتا ہے اس کا حساب مشکل ہوگا۔

مومن کو جب کوئی چیز پسند آتی ہے تو وہ اسے مخاطب کر کے کہتا ہے:

بے شک میں تجھے پسند کرتا ہوں اور مجھے تیری ضرورت ہے، لیکن تجھے پانے کے لیے میرے پاس کوئی راستہ نہیں ہے، (چوں کہ اس کو اس کی حلت یعنی حلال ہونے) میں شک ہو جاتا ہے، اس لیے اس کو نہیں لیتا اور اسے کہتا ہے کہ تیرے حصول میں کئی رکاوٹیں حائل ہو چکی ہیں اور اگر اس سے ایسا فعل صادر ہو جاتا ہے کہ جو اس کو (گناہ ہونے کی وجہ سے) ناپسند ہو تو فوراً اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے، اس کو انجام دینے کا میرا ارادہ نہیں تھا اور مجھے اس فعل سے کیا واسطہ ہے اور اللہ کی قسم! میرے پاس اس کا کوئی عذر نہیں ہے، واللہ میں آئندہ ایسا ہرگز نہیں کروں گا ان شاء اللہ، مومن تو دنیا میں ایک قیدی کی مانند ہے جو مسلسل اپنی خلاصی کرانے کی دھن میں رہتا ہے اور کبھی اپنے مقصد سے غافل نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے پاس پہونچ جاتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کی آنکھ، کان، ناک، زبان اور تمام اعضاء و جوارح کے بارے میں پوچھ ہونے والی ہے۔ ☆☆

حالات حاضرہ

آزادیٔ رائے پر دو موقف

تحریر: مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
ترجمہ: سید خلیل احمد حسنی

ایک بیہودہ شخص کا ایک بیہودہ فلم بنانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا کوئی پہلا واقعہ نہیں، گستاخی کی یہ مذموم کوششیں پہلے بھی کی جا چکی ہیں، اور شائد آئندہ بھی ہوتی رہیں۔

وہ ذات جس کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین کا خطاب عطا فرمایا ہو، اور جس کی رحمۃ للعالمینی کا اعتراف اپنوں ہی نے نہیں دشمنوں تک نے کیا ہو، جس ذات کو منکرین رسالت نے الصادق الامین کے لقب سے پکارا ہو، عدل وانصاف کے لیے جس کا دروازہ دوست و دشمن دونوں کے لیے یکساں کھلا رہتا ہو، حضرت عیسیٰ وحضرت موسیٰ علیہما السلام نے جس کی بعثت کی بشارت دی ہو، توریت وانجیل نے جس پر ایمان لانے کی تلقین کی ہو، اور پھر اس دور کے ایک معتبر ومعروف عیسائی قلمکار نے سو منتخب ترین لوگوں کی فہرست میں جس ذات گرامی کو سب سے اوپر جگہ دی ہو، افسوس صد افسوس کہ اسی ذات عالی مقام پر زبان درازی کی جراءت اب بڑھتے بڑھتے فلم سازی کی حد تک جا پہنچی ہے۔

گستاخی کی ان کڑیوں کو اگر جوڑا جائے تو اس کی پہلی کڑی ہم کو اس دور میں پہنچا دیتی ہے جو دور آپ کی بعثت کا ہے، یہودیوں کا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور اپنی زبان کو توڑ مروڑ کر ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جو دوہرا مفہوم رکھتے تھے، ایک معنی ان کے اگر اچھے نکلتے تھے تو دوسرے معنی ان کے برے، قرآن کریم میں اس کی مثالیں موجود ہیں، یہاں پر اس کا ذکر بھی بے ادبی ہے۔

پھر اس بدزبانی اور بے ادبی کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لیے رک جاتا ہے، مکہ فتح ہوتا ہے، اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آتا ہے، دشمنان اسلام کی زبانوں پر تالے لگ جاتے ہیں، لیکن یہ تالے پھر کھلتے ہیں، اور حیرت ہے اس وقت کھلتے ہیں کہ جب یورپ نے مسلم حکماء کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، ان کی کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا، اور اسی استفادہ کے نتیجہ میں وہ اس تاریکی سے نکلنے میں کامیاب ہوا جس تاریکی میں وہ ایک ہزار سال سے ڈوبا ہوا تھا، Robert Briffault اپنی کتاب The Making of Humanity میں لکھتا ہے "یورپ کی ترقی میں اسلامی تہذیب کا بڑا حصہ اور اس کے انمٹ نقوش ہیں" وہ لکھتا ہے۔ علوم طبیعیہ نے (جس کا سہرا عربوں کے سر بندھتا ہے) یورپ کو صرف نئی زندگی ہی نہیں دی، بلکہ اسلامی تہذیب نے یورپ کی بیداری میں بڑا کردار ادا کیا ہے"۔

لیکن یورپ نے اپنے فطری مزاج کے مطابق اس نعمت بیش بہا پر (جو اس کی بیداری کا سبب بنی تھی) تشکر اور امتنان کے جذبات کے اظہار کے بجائے منفی پہلو اپنایا، کیونکہ اس پر صلیبی روح غالب تھی، اور سیاسی اغراض ومقاصد نے اس کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، چنانچہ وہ اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن بن کر سامنے آیا اور یہ اسلام دشمنی نتیجہ تھی اس پستی کا جس سے یورپ ایک ہزار سال سے دوچار تھا، اور یہی اسلام دشمنی نتیجہ تھی اس خوف کا جو اسلامی فتوحات کے دور میں یورپ کے دل میں مسلم حکمرانوں کی طرف سے بیٹھا ہوا تھا، پھر یہی خوف نتیجہ بنا اس بات کا کہ یورپ نے اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی تدبیریں کیں، اور مسلمانوں کی مقدس جگہوں پر حملہ کرکے ان پر قبضہ کرنے کی ناپاک کوشش کی، سامراج کے ان علمبرداروں نے اسلامی ممالک میں اپنے سامراجی دور میں اپنے تمام علمی، سیاسی اور اقتصادی حربے مسلمانوں کی طاقت کو توڑنے اور ان کے اندر شکست خوردگی کا احساس پیدا کرنے اور ان کے اتحاد کو افتراق میں بدلنے کے لیے استعمال کیے، مسلمانوں میں اس طرح کے احساسات پیدا کرنے کے لیے انہوں نے کتابوں کے ساتھ تعلیم، تربیت، علم اور میڈیا کو اپنا ذریعہ بنایا، اور ساتھ ساتھ مسلمانوں کے غصہ کو بھڑکانے، ان کو وقتی جوش دلانے، اور ان کے ایمان کو جانچنے کے لیے انہوں نے فنی طریقے بھی اختیار کیے، خاص طور پر انہوں نے فلموں کو اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا، اور مغربی فلموں نے اسلام اور مسلمانوں کی غلط تصویر پیش کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، ایک فلم کا نام ہے (Dance of the Seven Veils) یہ فلم مسلمانوں کے صرف منفی پہلو کو اجاگر کرتی ہے، اور فلم (Hollywood) کی ہے۔

۱۹۲۱ء میں ایک دوسری فلم ریلیز ہوتی ہے جس کا نام "The Sheik" ہے، ۱۹۲۳ء میں، A 'Cafe in Cair' نامی فلم تیار ہوتی ہے، ۱۹۲۸ء میں (The Desert Bride) کے نام سے ایک فلم ریلیز ہوتی ہے، یہ تمام فلمیں وہ فلمیں ہیں جن میں عربوں کی غلط تصویر پیش کی گئی ہے، ان کو تشدد پسند دکھایا گیا ہے، رقص وسرور کا دلدادہ اور عورتوں کو اغوا (Kidnap) کرنے والا بتایا گیا ہے، اس طرح کی فلموں کی تعداد ۷۸ تک پہنچتی ہے۔

۱۹۶۲ء میں ایک فلم "phoenix" نام کی ریلیز ہوئی، اس میں مسلمانوں کو بے ضمیر دکھلایا گیا ہے، فلم کی کہانی کچھ اس طرح ہے کہ لیبیا کے صحراء میں ایک جہاز گرتا ہے، جہاز کا پائلٹ اور مسافر عرب قافلہ سے مدد طلب کرتے ہیں، لیکن مسلمان بجائے مدد کرنے کے ان مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں، اور پائلٹ کو بغیر کسی جرم کے قتل کر دیتے ہیں۔

۱۹۶۶ء کو ایک دوسری فلم "الخروج" نامی ریلیز ہوئی، اس کی کہانی ایک ۱۵ سالہ اسرائیلی دوشیزہ کے ارد گرد گھومتی ہے، جو عرب نژاد ایک مسلمان کے ہاتھوں بے دردی سے ماردی جاتی ہے۔

۱۹۶۶ء ہی میں اسی طرح "Cast Elegant Shadow" نامی فلم ریلیز ہوئی تھی، جس میں یہ دکھایا گیا کہ عرب ایک اسرائیلی دوشیزہ کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو سامنے رکھ کر کس طرح خوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

۱۹۷۳ء میں عربوں کے تیل کے ذخیرہ کے مالک ہونے کے بعد (jane Fonda) نامی عورت جس نے ویتنام کی جنگ کا انکار کیا ہے، اور "Role Offer" نامی فلم میں ہیروئن کا کردار ادا کیا ہے، اس فلم میں یہ دکھایا گیا ہے کہ عرب مذہبی معاملات میں بہت تنگ نظر ہیں، اور عورت کے سخت دشمن ہیں، اور وہ یورپی تہذیب کو ڈھا دینے پر کمربستہ ہیں۔

۱۹۷۵ء میں "The One and the Eleven" نامی فلم ریلیز ہوئی، اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ عربوں نے ایک خاتون کو اغوا کرلیا، اور امریکی صدر سے فدیہ کی رقم کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

۱۹۷۶ء میں "Network" نامی فلم جو ریلیز ہوئی تھی اس میں دکھایا گیا کہ عرب امریکہ پر قبضہ کر چکے ہیں، اور بہت تنگ نظری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

۱۹۷۷ء میں (Black Sunday) نامی فلم ریلیز ہوئی، اس میں دہشت گردی کو موضوع بنایا گیا، اور اس کی نسبت مسلمانوں کی طرف کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ کچھ مسلمان ایک پارک میں فٹ بال کھیلنے گئے کچھ بچوں کے قتل کا منصوبہ بنا رہے ہیں، لیکن اسرائیلی پولیس افسر نے ان کے اس منصوبے کو ناکام کردیا، اور ان بچوں کو ان کے شر سے بچالیا۔

۱۹۸۲ء میں ریلیز ہونے والی فلم (Wrong is Right) میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک عرب بادشاہ دو نیوکلیائی بم انقلابیوں کے حوالہ کرتا ہے تاکہ وہ اس کو اسرائیل اور نیویارک میں گرادیں، لیکن امریکی صدر ان کی سازش کو ناکام کر دیتا ہے۔

۱۹۸۲ء میں ہی ریلیز ہونے والی (Desert) نامی فلم میں یہ دکھایا گیا کہ ایک شیخ نے ایک دوشیزہ پر جادو کیا اور پھر اس کو اغوا کرلیا۔

Hollywood نے مسلمانوں کو غاصب، انتہا پسند اور تمام برائیوں کی جڑ دکھایا ہے، اور یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ وہ دنیا میں تخریب کاری کا مشن لے کر آئے ہیں، اس پروپیگنڈہ میں اس کا ساتھ صرف میڈیا اور فلم انڈسٹری نے ہی نہیں بلکہ ٹیلی ویزن نے بھی دیا۔

(Road to Makkah) نامی فلم میں ہیرو کو جو امریکا کی خفیہ ایجنسی کا ایک افسر ہے اس کو عالمی تجارتی مرکز پر حملہ کے موقع پر حملہ کا مجرم مسلمانوں کو قرار دیتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ یہ عرب شیخ اور ان کے معاونین ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم شیطان ہیں، اور ہم کو ہلاک کرکے ہی وہ جنت میں داخل ہو سکتے ہیں، پھر وہ افسر مسلمانوں کو مغلظات بکنے لگتا ہے، اور فلم کے اختتام میں یہ عرب شیخ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے دکھائے جاتے ہیں، تلاوت کے بعد وہ یہ کہتے ہیں "دھماکوں کا انتظار کرو"۔

(American Jihadi) نامی فلم میں یہ دکھایا گیا ہے کہ دنیا میں پیش آنے والے حادثات اور دنیا پر منڈلاتے خطرات کے بادل کے ذمہ دار صرف یہی عرب ہیں۔

Hollywood نے اپنی فلم (Blocked) میں (جس کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی) یہ دکھایا کہ عربوں کی فطرت ہی میں دہشت گردی کا عنصر شامل ہے، قتل وغارت گری ان کے خون میں داخل ہے، تشدد اور انتہا پسندی ان کی موروثی صفات ہیں، وہ جانباز امریکی فوجیوں کی ہمت اور شجاعت کی وجہ سے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پا رہے ہیں۔

(Sword of Islam) نامی فلم میں (جس کو امریکا میں ۵ سال تک پردہ پر دکھایا جاتا رہا) یہ دکھایا گیا ہے کہ اسلام دہشت گردی اور قتل و غارت گری کی تعلیم دیتا ہے، وہ تہذیب وتمدن اور ترقی کا دشمن ہے، اسی فلم میں مسلمانوں کی جانب سے قتل وغارت گری کے کچھ نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ بحوالہ (نحن والآخر)

مغربی میڈیا مسلمانوں کے غصہ کا سبب بننے والے محرکات پر غور کرنے کے بجائے اور اس طرح کی مذموم حرکت کرنے والوں کو کلین چٹ دیتے ہوئے سارا قصور مسلمانوں کے سر تھوپ دیتا ہے، مغربی میڈیا نے اور یورپی ممالک کے حکمرانوں نے مسلمانوں کی جوابی کاروائی کو دہشت گردی اور تشدد پسندی سے تعبیر کیا ہے۔

مہذب، باادب، اور بااخلاق لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس طرح کے واقعات کے رونما ہونے پر فوراً اس کے خلاف آواز اٹھائیں، مجرموں کی گرفتاری کو یقینی بنائیں، اور اس طرح کے واقعات پھر رونما نہ ہوں اس کے لیے سنجیدہ اقدامات کیے جائیں اور عملی تدابیر اختیار کی جائیں۔

یورپ اور پوری دنیا جانتی ہے کہ مسلمان اپنے نبی کریم ﷺ سے کتنی محبت کرتے ہیں، وہ اپنی جانیں آپ ﷺ کے دفاع میں قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں، یہی ان کے ایمان کی علامت اور ان کے سچے مسلمان ہونے کی پہچان ہے، مسلمانوں نے بارہا اس کا مظاہرہ بھی کیا ہے، جب جب آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی مذموم کوشش کی گئی، مسلمانوں نے خوشی خوشی اپنی قربانی پیش کردی۔

تاریخ گواہ ہے کہ آج تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جو آپ ﷺ کے تعلق سے مسلمانوں کی غیرت، حمیت اور محبت کو جانچ سکے، مسلمان اپنے نبی ﷺ کی آبرو پر ہر وقت جان دینے کے لیے تیار رہتے ہیں، اور پورا یورپ یہ بھی جانتا ہے کہ اس طرح کی ناپاک کوششوں پر کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں، کتنے انسان موت کا لقمہ بن جاتے ہیں، پھر بھی یورپ بار بار یہ عمل دہراتا رہتا ہے، میڈیا کو اپنے اغراض کے لیے استعمال کرتا رہتا ہے، میڈیا بھی اپنے مقصد سے بے پرواہ، اور اپنی ذمہ داری سے غافل ہو کر غلط ہاتھوں استعمال ہوتا رہتا ہے، یقیناً میڈیا آزادی رائے کے معنی بھول چکا ہے۔

کیا زبان درازی کرنا، بلند اقدار پر کیچڑ اچھالنا، عقائد کے تعلق سے شکوک وشبہات پیدا کرنا، مقدس جگہوں کی بے حرمتی کرنا یہی آزادی رائے کا مطلب ہے؟ کیا یہی مغربی تہذیب کی علامت ہے؟ اس طرح کی یورش کرنے والی تحریکوں کا ظہور پزیر ہونا خلاف عقل نہیں ہے، اس لیے کہ ہر معاشرہ میں اچھے برے دونوں طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں، گالی دینے والے بھی ہیں اور محبت بانٹنے والے بھی، اور مثل مشہور ہے ”برتن سے وہی چیز چھلکتی ہے، جو اس کے اندر ہوتی ہے“ ہم کسی کو بھی گمراہ کن اور حاسدانہ خیالات کو باہر لانے سے نہیں روک سکتے، لیکن جس معاشرہ میں یہ واقعات رونما ہوں اس معاشرہ کے ہر شریف شخص کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے قول سے اور عمل سے اس پر نکیر کرے، اور اپنی براءت ظاہر کرے۔

افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس طرح کی گندی اور ناپاک کوششیں بار بار ہو رہی ہیں، اور ان پر کوئی نکیل نہیں کسی جارہی ہے، بلکہ ان کو آزادی رائے کی آڑ میں جواز کا درجہ دے دیا گیا ہے، جب کہ اندرونی معاملات میں آزادی رائے کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔

ابھی حال ہی میں کی گئی ناپاک اور مذموم حرکت پر مسلمان بھڑک اٹھے، انہوں نے اپنے غصہ کا اظہار بھی کیا، احتجاج بھی کیا، بڑے پیمانے پر کیا، مگر امن کا دامن تھامے رہے، کیوں کہ وہ اس نبی ﷺ کے امتی ہیں جس کی رحمت سب پر یکساں ہے، اس نبی ﷺ کی رحمت میں اپنے اور پرائے میں کوئی تفریق نہیں ہے، وہ اس قرآن کے ماننے والے ہیں جس میں رحم دلی پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے،

جس قرآن میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ (There is no compulsion in religion) پر کاربند رہیں، وہ اس قرآن کے مانے الے ہیں جس میں اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ [البقرۃ:۱۳۶] (اے مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی، اور جو چیز ابراہیم واسماعیل واسحاق ویعقوب علیہم السلام اور ان کے اولاد پر اتاری گئی، اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا، ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے، ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں)۔

تمام مسلمانوں کا عالمی طاقتوں سے یہ مطالبہ ہے کہ اس طرح کے واقعات کی روک تمام کے لیے قانون بنایا جائے، عالم اسلامی کے حکمرانوں نے بھی اقوام متحدہ سے یہی مطالبہ کیا ہے، ماضی میں بھی مسلمان اس طرح کے مطالبات کر چکے ہیں، لیکن مغربی ممالک نے ان مطالبات کو سنجیدگی سے نہیں لیا، اور اس بار بھی اس مطالبہ کو عالمی طاقتوں کی تائید نہیں ملی، اس لیے کہ اس طرح کی بدزبانیاں وہی لوگ کر رہے ہیں جن کا دنیا پر تسلط ہے، میڈیا ان کے کنٹرول میں ہے، اور بدزبانی کا نشانہ صرف مسلمان ہی بنتے ہیں، جب کہ مسلمان تمام ادیان کا احترام کرتے ہیں، اور دیگر ادیان کے ماننے والوں اور ان کے پیغمبروں کی پوری عزت کرتے ہیں، اور تاریخ گواہ ہے کہ آج تک کسی مسلمان نے کسی دین یا کسی مقدس ہستی کی شان میں گستاخی کی کوشش نہیں کی۔

۵۶؍اسلامی ممالک کے حکمرانوں نے اس طرح کے قانون بنائے جانے کے لیے اقوام متحدہ کو قرارداد بھیجی ہے، جس میں انہوں نے صرف اسلام اور حضور ﷺ کے احترام کے لیے قانون بنائے جانے کی وکالت نہیں کی ہے، بلکہ تمام مذاہب اور ان کے ماننے والوں اور ان کی مقدس ہستیوں کے احترام کے لیے قانون بنائے جانے پر زور دیا ہے۔

اس سلسلہ میں عالمی قانون بنائے جانے کی سخت ضرورت ہے تاکہ ہر انسان امن اور آزادی کے ساتھ بے خوف وخطر زندگی گذار سکے، اور اپنے ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکے۔

☆☆☆☆☆

سیر فی الارض

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

مصر کی تاریخ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ تیس خانوادوں کی حکومت عہد فراعنہ میں یکے بعد دیگر جو قائم ہوتی رہی تحقیق سے پتا چلا ہے کہ کم از کم حضرت مسیح علیہ السلام سے چار ہزار برس پیشتر سے شروع ہو کر نقتانی بوس ثانی پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے، سمجھا جاتا ہے کہ تین سو پچاس قبل مسیح میں فراعنہ کے اس دور کا انقراض ہوا، اس کے بعد رومی مصر پر قابض ہو گئے، جب کہ سراغ لگانے والے مختلف قرائن اور شہادتوں کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہزار ہا سال تک توحید وآخرت پن اور پاپ یعنی نیکی وبدی، بروائم، بہشت و دوزخ، مرنے کے بعد دوسری زندگی، یہ اور اسی قسم کی وہ ساری باتیں جن کی تعلیم خدا کے پیغمبروں نے دنیا کو دی ہے یہی چیزیں مصریوں کی دینی زندگی کے جوہری حقائق تھے، لیکن مصر کے اسی موحد ملک کے باشندے عروج وارتقاء کی آخری بلندیوں پر جب پہنچ گئے تو شش ونق اور تاکلوت نامی فرعونوں کے زمانے میں جو اٹھائیسویں خانوادے کے حکمراں تھے، تخمینہ کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح سے تقریباً ایک ہزار سال سے آگے ان کی حکومت کا عہد متجاوز نہیں ہوتا، اسی زمانے میں خالق عالم کے سامنے سے ان کی پیشانی ہٹی، اس کے بعد وہی انجام اس کے سامنے آیا جو خدا کے سامنے سے ہٹ جانے کے بعد ہر قوم کے سامنے آیا ہے، یعنی ایک خالق کے سامنے سے جب کبھی قوم ہٹی ہے تو دیکھا گیا ہے کہ ہر ایک کے سامنے پڑی ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ جعل جیسے کیڑے تک معبود بنالینے پر وہ راضی ہو گئے، وہ کتوں کو بھی پوجنے لگے اور بیلوں کو بھی، سانپوں کو بھی، بچھوؤں کو بھی، اور یہی میں کہنا چاہتا تھا کہ کچھ نہیں تو صرف مصر قدیم کی تاریخ ہی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو نظر آئے گا کہ ابتداء ہر قوم وملت کو خالق عالم کی طرف سے پیغمبروں اور رسولوں نے توحید ہی کی تعلیم دی ہے، شرک میں جب کبھی اور جہاں کہیں بھی قومیں مبتلا ہوئی ہیں وہ اپنے ابتدائی دین سے دور ہونے کے بعد ہی ہوئی ہیں، اس قسم کی قرآنی آیتیں مثلاً:

(ترجمہ) ”ہم نے ہر امت (قوم) میں اپنے پیغمبر بھیجے (یہ پیغام لے کر) کہ اللہ ہی کو پوجے اور طاغوت (یعنی خدا سے سرکش بنانے والی چیزوں) سے بچتے رہنا“۔ [النحل]

یہ واقعہ ہے کہ ان کا صحیح مطلب دنیا کی قوموں کی تاریخ پڑھنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے، خود اسی آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: ”پھر چلو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا“۔ [النحل/۳۶]

کاش! تفسیر کی تمام کتابوں کے ساتھ قرآن کو سمجھنے کے لیے اس قرآنی مشورے کو ہمارے علماء سنتے، سیر فی الارض ہی کی تعمیل کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ زمین کے مختلف حصوں میں جو قومیں گزری ہیں، کتابوں میں ان کا مطالعہ کیا جائے اور وہ زبانیں سیکھنے کی کوشش کی جائے جن سے زمین کی پرانی امتوں کے حال جاننے میں مدد مل سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

محاسن اسلام

اسلامی تقویم کی خصوصیات اور محرم الحرام

مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی

دنیا میں صدیوں بلکہ ہزاروں سال سے انسانوں نے واقعات کو ان کے متعین وقت کے ساتھ یاد رکھنے کے لیے تقویم اور جنتری کا نظام بنا رکھا ہے، ان واقعات کے محفوظ ہونے انسانوں نے انہیں معلوم کر کے اپنی ترقی میں بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے، اسی طرح پریشانیوں سے کیسے بچا جائے؟ اس کے بارے میں اس سے راہ حاصل کی ہے۔

قرآن مجید میں بھی برسوں، مہینوں اور ایام کا ذکر بار بار ملتا ہے جس میں کبھی تو مختلف تقویموں کی رعایت بھی ملتی ہے، مثلاً اصحاب کہف کے غار میں سوتے رہنے کی مدت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا﴾ یعنی وہ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو سال اور مزید بھی، چونکہ عیسائی تقویم کے لحاظ سے جو خالص شمسی ہے، تین سو سال ہوتے ہیں، تو تین سو سال کی تعبیر اختیار کی گئی اور قمری تقویم کے لحاظ سے نو سال مزید ہوتے ہیں تو اس کو الگ سے ﴿وَازْدَادُوا تِسْعًا﴾ کہہ کر بیان کیا گیا۔

ہوسکتا ہے انسان نے اپنے ابتدائی عہد میں سالوں کے لیے یا مہینوں کے لیے ایام کی تعداد میں آج سے کچھ مختلف طریقہ اپنایا ہو، لیکن مدتہائے دراز سے رائج تقویموں میں سال کے بارہ مہینے ہونے پر اتفاق ہے، البتہ مہینوں کے دنوں کی تعداد میں ضرور اختلاف ہے، جس کی بنیادی وجہ تقویم کے دارومدار کے انحصار پر ہے، اس لیے کہ بعض اہل تقویم صرف سورج کی رفتار پر ہی نظر رکھتے ہیں جیسے عیسوی سن والے، بعض کا دارومدار صرف چاند کی رفتار پر ہوتا ہے جیسے اسلامی جنتری والے اور بعض دونوں کی رعایت کر کے چلتے ہیں جیسے ہندوستان کی بکرمی والی تقویم۔

جو لوگ صرف سورج کی رفتار کو اپنی تقویم کا مدار بناتے ہیں، ان کے یہاں سال کے ۳۶۵ دن ہوتے ہیں، اس تقویم پر چلنے والوں کے لیے ہر تیوہار ہر سال ایک متعین وقت پر ہی آتا ہے، اس میں علم فلکیات کے علم و معرفت کی ضرورت پڑتی ہے، ایک عامی شخص کے لیے مہینہ کے ختم ہونے اور نئے مہینہ کے شروع ہونے کی کوئی واضح علامت جس کو کھلی آنکھوں دیکھا جا سکے نہیں ہوتی، نیز ۳۶۵ نہیں، بلکہ سال کے تین سو اور سوا پینسٹھ دن ہوتے ہیں، اس لیے ان کو ہر چار سال پر ایک دن کا اضافہ کرنا پڑتا ہے، چنانچہ فروری کو ہر چوتھے سال بجائے ۲۸ دن کے ۲۹ دن کا کر دیا جاتا ہے، بلکہ پھر بھی کسر رہ جاتی ہے تو ایک لمبی مدت پر اس کو ٹھیک کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اگر اہل اسلام بھی اس تقویم کو اپنا لیں تو عوام کو مہینہ کے ختم ہونے اور نئے مہینہ کے شروع ہونے کی اطلاع کے لیے اہل علم سے دریافت کرنے کی ضرورت پڑے گی، خود سے کسی علامت سے اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔

نیز تیوہاروں اور مقدس ایام کے لیے بھی ہمیشہ کے لیے ایک تاریخ متعین ہو جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عالم اسلام جو مشرق و مغرب اور شمال و جنوب ہر جہت سے تعلق رکھتا ہے، اس میں کسی کے لیے رمضان ہمیشہ گرمی کے لمبے دنوں میں آیا کریں گے اور کسی کے لیے ہمیشہ سردی کے چھوٹے دنوں میں تو کسی کے لیے رات دن کے متوسط مقدار کے دنوں میں، پہلے فریق کو کبھی چھوٹے دنوں والے رمضان کی سہولت میسر نہیں آئے گی تو دوسرے فریقوں کو کبھی طویل گرمی کے دنوں میں روزہ میں بھوک پیاس کے شدت کا احساس نہ ہوگا، وہ غرباء و فقراء کی اس حاجت کا کبھی احساس نہ کر سکیں گے۔

جو لوگ محض چاند کی رفتار کے ساتھ سورج کی رفتار کا بھی لحاظ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، ان کو بعض مہینوں میں دنوں کا اضافہ کرنا پڑتا ہے، لیکن کام اس سے بھی نہیں چلتا تو ہر تین سال پر مستقل ایک مہینہ کا اضافہ کرنا پڑتا ہے تب جا کر وہ اپنے تیوہاروں کو موسم کے لحاظ سے متعین وقت پر رکھ سکتے ہیں، ورنہ دیوالی کبھی سردی میں تو کبھی گرمی میں آیا کرے گی اور تیوہاروں کا وہ فلسفہ موسم کی بنیاد پر بیان کیا جاتا ہے، سب غلط ہو جائے گا نیز دیوالی کہیں ہمیشہ سردی میں آئے گی تو کہیں ہمیشہ گرمی میں، مثلاً اگر اس سال ۲۰۱۲ء میں ہندوستان میں دیوالی نومبر یعنی سردی کے موسم کی ابتدا پر ہے تو ساؤتھ افریقہ میں اس کے بالکل برعکس، اور ہمیشہ یہی نظام رہے گا۔

نیز اس میں چاند کے مراحل محاق کے بعد حقیقی ولادت ہلال، امکان رؤیت ہلال اور حقیقی رؤیت ہلال ہی سے ہے، اس لیے مہینہ کے اختتام اور ابتداء میں اس فن میں بڑے علم و معرفت کی ضرورت پڑتی ہے جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہو سکتا، ساتھ ہی ایک عالم کے نزدیک آج کے امکان رؤیت ہلال ہے، تو دوسرے کے نزدیک نہیں تو اختلاف ہوگا، اسی لیے دوج جو گویا رؤیت کی تعبیر ہے، اس میں اختلاف ہو جاتا ہے، جس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ایک ہی دن کا کچھ حصہ یکم (پہلی تاریخ) میں پڑتا ہے تو بقیہ حصہ دوج یعنی دوسرے رؤیت ہلال والے حصہ میں پڑتا ہے چنانچہ زید پہلی کی بات کی رعایت میں اس کو یکم کہتا ہے تو بکر دوسرے پہلو کا لحاظ رکھ کر اس کو دوج کہتا ہے۔

اسلامی تقویم کا مدار محاق، چاند کے ناقابل رؤیت ہونے کی کیفیت کے بعد ولادت ہلال اور امکان رؤیت ہلال کے دو مرحلوں کے بعد حقیقی رؤیت ہلال پر ہے جس کو حدیث شریف میں "اذا رأیتم الهلال فصوموا" کہا گیا ہے، کیوں کہ اس کا سمجھنا آسان ہے کہ ہر شخص پر قادر ہے اور کسی وجہ سے وہ نہ دیکھ سکے تو دوسرے کی رؤیت معتبرہ کی علم حاصل ہے کیونکہ چاند کمیٹی آج کل اسکی تحقیق کر کے بروقت اسکا اعلان کر دیتی ہے، اس لیے وہ سب کے لیے کافی ہے۔

اسلامی جنتری میں بارہ مہینوں کے نام حسب ذیل ہیں، آجکل اکثر عوام ان مہینوں کے نام جانتے ہی نہیں اور جو جانتے ہیں، ان میں بھی صحیح تلفظ کے ساتھ ان کو بولنے کا علم کم ہی لوگوں کو ہوتا ہے۔

۱۔ مُحَرَّم، ۲۔ صَفَر ۳۔ رَبِیْعُ الأوّل، ٤۔ رَبِیْعُ الثَّانِی یا رَبِیْعُ الآخِر، ٥۔ جُمَادَی الأولٰی، ٦۔ جَمَادَی الثَّانِیَۃ یا جُمَادَی الأخْرٰی، ۷۔ رَجَب، ۸۔ شَعْبَان، ۹۔ رَمَضَان، ۱۰۔ شَوَّال، ۱۱۔ ذُوالقَعْدَہ، ۱۲۔ ذُوالحِجَّۃ۔

ہمارے لیے کتنے نقص بلکہ صحیح معنوں میں عیب کی بات ہے کہ ہمارا بچہ انگریزی مہینے عیسائی جنتری والے جنوری تا دسمبر تک تفصیل کے ساتھ جانتا ہے، ماہ جنوری کتنے دن کا ہوتا ہے اور فروری کتنے دن کا؟ نیز یہ کہ فروری ہر چار سال پر اپنے قاعدہ کے مطابق ۲۹ دن کا ہو جاتا ہے جس کا اثر بھی مختلف حیثیتوں سے ظاہر ہوتا ہے، مثلاً اگر کسی بچہ کی ولادت ۲۹ فروری کی ہوتی ہے اور وہ بڑا آدمی (عمر و مرتبہ ہر دو لحاظ سے) ہو جاتا ہے اور اپنا برتھ ڈے منانا چاہتا ہے تو اسکو اسکا یہ موقع ہر تین سال کے بعد چوتھے سال ہی ہاتھ لگتا کیوں کہ ان تین سالوں کے درمیان ۲۹ فروری کی تاریخ ہی نہیں ہوتی، مثلاً ۲۹ر فروری ۲۰۰۰ء میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے تو اسکا برتھ ڈے ۲۰۰۴ء، ۲۰۰۸ء، ۲۰۱۲ء یا ۲۰۱۶ء میں منایا جا سکے گا، درمیان کے سالوں میں ۲۹ فروری نہ ہونے کی وجہ سے نہیں منا سکتا، اسی طرح ہمارے بچوں کو کاتک، ماگھ وغیرہ بارہ مہینوں کے نام تو معلوم ہوتے ہیں، محرم سے ذی الحجہ تک کے مہینوں کے اسلامی نام نہیں معلوم ہوتے۔

اسلامی مہینوں کے نام میں ربیع الثانی کو ربیع الآخر اور جمادی الثانیہ کو جمادی الاخریٰ بھی کہتے ہیں، پانچویں اور چھٹے مہینے کے نام کا تلفظ جمادی ہے یعنی جیم پر پیش ہے، جمادی جیم پر زبر نہیں ہے اور رمضان کو قرآن میں میم کے زبر کے ساتھ رَمَضان کہا گیا ہے، عام بول چال میں غلط العوام فصیح کے قاعدہ سے جو کچھ کہا گیا ہے، مگر حقیقت وہ ہے جو ہم نے ذکر کی۔

پڑھے لوگوں کی ایک محفل میں ہم نے سوال کیا کہ آپ میں ہندی کتنے لوگ جانتے ہیں؟ تقریباً سبھی نے اشارہ سے اثبات میں جواب دیا کہ ہم جانتے ہیں، پھر دریافت کیا کہ انگلش کتنے لوگ جانتے ہیں؟ تو اکثر کا جواب اس میں بھی اثبات ہی میں تھا، چند ہی لوگوں نے انکار کیا، لیکن جب یہی سوال عربی کے بارے میں کیا گیا تو جواب سو فیصد نفی میں تھا۔

ہم نے کہا ایسا کیوں؟ اسکا جواب ہم آپ کو دیتے ہیں کہ آپ نے ہندی اپنے ملک کی قومی زبان ہونے کی وجہ سے سیکھی ہے کہ قدم قدم پر دنیاوی معاملات میں اسکی ضرورت پڑتی ہے اور بھارت ہمارا وطن ہونے کی وجہ سے یہ ہماری قومی نیشنل زبان ہے گویا وطنی رشتہ و ناطہ ہونے کی وجہ سے ہم نے اس کو سیکھا ہے۔

اسی طرح انگلش کو ہم نے عالمی زبان جان کر سیکھا ہے کہ ہم عالم کے افراد میں سے ایک فرد ہیں اور ہماری کچھ ضرورتیں انٹرنیشنل انداز کی ہوتی ہیں تو ہمیں اس کی ضرورت پڑتی ہے، بات صحیح بھی ہے، لہٰذا ان دونوں زبانوں سے ہمارا خاص لحاظ سے تعلق ہے ...... بقیہ صفحہ ۲۶ر پر)

فقہ و فتاویٰ

سوال و جواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: یوم عاشوراء کی اسلام میں کیا اہمیت ہے؟

جواب: اسلام میں یوم عاشوراء ایک قابل احترام اور ایک اہم تاریخی دن ہے، حدیث میں آتا ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کیے گئے اور اسی دن جنت سے دنیا میں بھیجے گئے اور اسی دن موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات حاصل ہوئی، ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دن بڑے اہتمام کے ساتھ روزہ رکھتے اور مسلمانوں کو روزہ رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔[مسلم شریف:۱/۳۵۹]

سوال: یوم عاشورہ کے روزہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: عاشورہ کے دن روزہ رکھنا مسنون ہے اور اس کا بڑا ثواب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کے بارے میں فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ روزہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ [ترمذی:۱/۱۸۵]

سوال: صرف عاشوراء یعنی دسویں محرم کے دن روزہ رکھا جاسکتا ہے؟

جواب: صرف ایک دن روزہ رکھنا مکروہ ہے، اس لیے دسویں محرم کے ساتھ نویں کا روزہ رکھنا چاہیے اگر نویں کا روزہ نہ رکھ سکے تو دسویں کے ساتھ گیارہویں کا روزہ رکھ لے، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے لکھا ہے کہ صرف ایک دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں یہود کے ساتھ مشابہت ہے۔[ردالمختار:۳/۳۹۸]

سوال: دسویں محرم کے روزہ کے ساتھ نویں محرم کو روزہ رکھنا افضل ہے یا گیارہویں کو؟

جواب: دسویں محرم کے روزہ کے ساتھ نویں یا گیارہیں دونوں میں سے کسی دن روزہ رکھا جاسکتا ہے، البتہ دسویں کے ساتھ نویں کو روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ ابوداؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں آئندہ زندہ رہا تو نویں تاریخ کو روزہ رکھوں گا؛ لیکن زندگی نے وفا نہیں کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پہلے ہی تشریف لے گئے۔ [ابوداؤد، باب فی یوم عاشورا] اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند نویں اور دسویں محرم کی تاریخ تھی۔

سوال: دسویں محرم کو کیا اہل وعیال کے نفقہ میں وسعت اور فراخی کا معاملہ کرنا چاہیے، کیا یہ حدیث سے ثابت ہے؟

جواب: یوم عاشوراء کو اہل وعیال پر فراخی اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس بارے میں جو روایت ملتی ہے اسکے متعلق بعض محدثین کی رائے ہے کہ ضعیف ہے، شیخ عبدالحق دہلویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ روایت کئی سندوں کے مروی ہے جس کی وجہ سے یہ حسن درجہ کی ہے، علامہ حصکفیؒ نے الدرالمختار میں صراحت کی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے علامہ سیوطیؒ کے حوالہ سے اس کی توثیق کی ہے اور فرمایا ہے کہ بلاشبہ یہ روایت ثابت اور صحیح ہے: "نعم حدیث التوسع ثابت صحیح کمال قال الحافظ السیوطی فی الدرر"۔[ردالمختار:۳/۳۹۹]

سوال: دسویں محرم کو کھچڑا پکوانا اور حضرت حسینؓ کے ایصال ثواب کے لیے اسے مخصوص کرنا کیسا ہے؟

جواب: دسویں محرم کو مخصوص کرکے حضرت حسینؓ کے ایصال ثواب کے لئے کھچڑا پکوانا، اس کو کھانا اور غریبوں میں اسکو تقسیم کرنا خلاف شرع اور بے اصل ہے، علماء نے اسکو بدعت قرار دیا ہے۔

سوال: بعض مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ماہ محرم میں شادی بیاہ نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ مہینہ ماتم اور سوگ کا مہینہ ہے، کیا یہ عقیدہ درست ہے؟

جواب: ماہ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ سمجھنا جائز نہیں، بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا حرام اور گمراہ کن ہے اور اس مہینہ میں نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ عام مہینوں کی طرح درست ہے۔

سوال: تعزیہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کے نزدیک تعزیہ بنانا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

خبر و نظر

عالم اسلام

جاوید اختر ندوی

ایک مصری مسلمان صحافی کی شان رسالت میں گستاخی

ابھی کچھ دنوں قبل امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اور پیغمبر اسلام کی اہانت پر مشتمل جو فلم منظر عام پر آئی، اس میں اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ کو داغدار کرنے کی ناپاک سازش کی گئی ہے اور ناموس رسالت پر نہایت بدبختانہ حملہ کیا گیا ہے، اس کے خلاف پوری دنیا میں پرامن احتجاج کیا گیا اور آج تک اس کا سلسلہ جاری ہے، جب کی فلم کا کچھ ہی حصہ 'یوٹیوب' پر ڈالا گیا ہے، اور ابھی باقاعدہ فلم منظر عام پر آئی بھی نہیں ہے، اور اس کا جواز اس طرح نکال لیا گیا کہ امریکہ میں سب کے لیے آزادئ اظہار رائے ہے، اور کسی کو اس پر پابندی عائد کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ایک صاحب ایمان کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوسکتی، اور اس کے لیے اپنی جان، مال، آل واولاد سب کچھ قربان کرسکتا ہے، اور یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے، اس سے قبل بھی ایسی کئی ایک فلمیں ان ممالک میں بنائی جاچکی ہیں جہاں آزادئ اظہار رائے کا دم بھرا جاتا ہے اور اگر یہی عمل کوئی ان کے سربراہان اور دینی وروحانی پیشوایان کے سلسلہ میں کرتا ہے تو اس کے خلاف فوراً کارروائی ہوجاتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ سارے اعمال اس امر کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ مغرب اسلام کی روز افزوں مقبولیت سے گھبراچکا ہے اور اس سے سخت بغض ونفرت اور کینہ وحسد رکھتا ہے، اسی کے نتیجہ میں یہ سارے گھناؤنے کام وقفے وقفے سے سامنے آتے رہتے ہیں۔

مغرب کے اس بدبختانہ رویہ پر دنیا بھر میں احتجاج کرنے والوں میں مصر کے نومنتخب جمہوری صدر نے امریکہ میں اپنے سفارت خانہ کو حکم دیا کہ اس فلم کے ذمہ داروں کے خلاف مقدمہ دائر کیا جائے، تو اس پر ایک مصری سیکولرزم صحافی نے بیان دیا کہ اللہ کے نبی کوئی مصری شہری تھوڑی تھے کہ ان کے خلاف مقدمہ دائر کیا جائے گا۔

کویت سے شائع ہونے والے مشہور ہفت روزہ عربی مجلہ "المجتمع" کے مطابق امریکی اور مصر کے قبطی اسلام کے خلاف بغض اور حسد رکھنے والوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس پر انگلی اٹھانے کی ناپاک کوشش کرتے ہوئے فلم تو بنادی، مگر ساری دنیا میں اس کے خلاف نہ صرف مسلمان مجسم صدائے احتجاج بن گئے، بلکہ مسلمانوں کے ساتھ مشرق ومغرب کے زعماء، سیاسی قائدین پر متعدد عیسائی وغیر مسلم تنظیموں نے بھی اس عمل کی مذمت کی، مگر افسوس اس امر پر ہے کہ کچھ لوگ دنیا میں ایسے بھی موجود ہیں جو اپنے نام اور خاندان کے اعتبار سے مسلمان شمار کیے جاتے ہیں مگر ان کے اقوال کچھ ایسے بھی ہیں کہ جن سے وہ الفاظ اور ان کی وہ ناپاک زبان پناہ مانگتی ہے مگر وہ اپنی عاقبت نااندیشی کی فکر کیے بغیر ہر وہ بات کہہ دیتے ہیں، جو شیطان ان سے کہلوانا چاہتا ہے، مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے بنائی جانے والی اس فلم پر مصر کی موجودہ قیادت خصوصاً صدر مملکت ڈاکٹر محمد مرسی نے بلاتاخیر امریکہ میں قائم مصر کے سفارت خانے کو حکم جاری کیا کہ اس فلم کے ذمہ داران کے خلاف امریکہ میں مقدمہ دائر کیا جائے، مصری صدر کے اس اقدام پر مصر ہی کے ایک نام نہاد مسلمان نے یہ بیان دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) مصری شہریت کے حامل نہیں تھے، اس لیے مقدمہ دائر کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس صحافی کے اس مذموم بیان پر الحمدللہ تمام مصری مسلمان صحافیوں نے اس کے بائیکاٹ کا اعلان کردیا ہے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ایسے شخص کو مخبوط الحواس قرار دے کر اس کو دماغی علاج کروانے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

مصر میں انقلابیوں کے لیے عام معافی کا اعلان

مصر کے صدر محمد مرسی نے سابق صدر حسنی مبارک کے خلاف چلائی گئی تحریک کے دوران حراست میں لیے جانے والے تمام افراد کے لیے عام معافی کا اعلان کیا ہے، مصری صدر کے سرکاری فیس بک صفحے پر شائع ہونے والے پیغام کے مطابق ان تمام اعمال کے لیے معافی دی گئی ہے جو انقلاب کی مدد کے نظریے کے تحت سرانجام دیے گئے تھے، اس عام معافی کے نتیجے میں مصری جیلوں سے ہزاروں افراد کی رہائی متوقع ہے۔

مصر کے سابق صدر حسنی مبارک نے گزشتہ برس فروری میں اٹھارہ دن کی حکومت مخالف تحریک

کے بعد اقتدار چھوڑ دیا تھا، اس تحریک کے دوران سینکڑوں افراد ہلاک ہوئے تھے اور عدالت نے رواں برس جون میں حسنی مبارک کو ان ہلاکتوں کو روکنے میں ناکامی پر عمر قید کی سزا سنائی تھی، عام معافی کا اطلاق تحریک کے آغاز کے دن یعنی ۲۵ر جنوری ۲۰۱۱ء سے ہوگا اور اس کے تحت رواں برس جون تک حراست میں لیے جانے والے افراد آئیں گے، صدارتی حکم کے تحت نہ صرف ان افراد کو معافی دی گئی ہے جو سزا کاٹ رہے ہیں، بلکہ وہ افراد بھی معافی کے حقدار ہیں جو ابھی مقدمہ چلائے جانے کے منتظر ہیں، تاہم قتل کے ملزمان پر اس معافی کا اطلاق نہیں ہوگا۔ مصر کی سرکاری خبر رساں ایجنسی مینا کے مطابق صدارتی حکم میں کہا گیا ہے کہ اٹارنی جنرل اور فوجی استغاثہ ایک ماہ کے اندران افراد کی فہرست سامنے لائیں جنہیں معاف کر دیا گیا ہے۔

یاد رہے کہ ڈاکٹر محمد مرسی رواں برس جون میں مصر کے پہلے جمہوری طور پر منعقدہ صدارتی انتخاب کے نتیجے میں ملک کے سربراہ منتخب ہوئے تھے۔

شام میں پناہ گزینوں کی تعداد دولاکھ سے تجاوز کر گئی

اقوام متحدہ کے پناہ گزینوں سے متعلق ادارے نے کہا ہے کہ شام کے تنازعے میں شدت آنے کے بعد وہاں سے دولاکھ سے زائد پناہ گزین ہمسایہ ملکوں کو ہجرت کر گئے ہیں، یو این ایچ سی آر نے کہا ہے کہ اس کا اندازہ تھا کہ سال کے اختتام تک یہ تعداد ایک لاکھ پچاسی ہزار ہوگی، لیکن سال ختم ہونے سے بہت پہلے ہی پناہ گزین تخمینے سے متجاوز ہو گئے ہیں، گزشتہ ہفتے تین ہزار پناہ گزیں ترکی، عراق، لبنان اور اردن پہنچے ہیں، اسی دوران حکومت مخالف کارکنوں کا کہنا ہے کہ سرکاری فوج نے دمشق کے نواحی علاقے داریا پر فائرنگ کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا ہے، جس میں تقریباً بیس افراد مارے گئے ہیں۔

یہ مبینہ فائرنگ اس ہفتے شروع کی جانے والی فوجی کارروائی کا حصہ ہے، جس کا مقصد دارالحکومت کے مضافات پر دوبارہ کنٹرول حاصل کرنا ہے، شام میں ہونے والے تشدد سے شہری آبادی بری طرح متاثر ہوئی ہے، مارچ ۲۰۱۱ء میں جمہوریت کے حق میں ہونے والے مظاہرے ہونے کے بعد سے اب تک دولاکھ سے زائد شامی باشندوں کا ہمسایہ ملکوں میں یو این ایچ سی آر کے پاس اندراج ہو چکا ہے۔

ادارے کے ترجمان ایڈرین ایڈورڈز نے جمعہ کے روز جینوا میں ایک اخباری کانفرنس کو بتایا، پڑوسی ملکوں میں پناہ گزینوں کی تعداد دولاکھ دو ہزار سو افراد سرحد پار کر کے اردن میں داخل ہوئے جو ایک ریکارڈ ہے، ترجمان نے مزید کہا کہ لبنان میں امن عامہ کی بگڑتی ہوئی صورت حال کی وجہ سے شام سے آئے ہوئے پناہ گزینوں کی امداد میں رکاوٹ پیش آرہی ہے تاہم امدادی کارروائیاں جاری ہیں، لبنان میں اکیاون ہزار شامی پناہ گزیں رجسٹرڈ ہیں۔

ایک اندازے کے مطابق حالات کی وجہ سے شام کے اندر بھی بارہ لاکھ سے زائد بے گھر افراد موجود ہیں جب کہ پچیس لاکھ کو انسانی امداد کی ضرورت ہے، اس وقت شام میں ہونے والی لڑائی کے دو بڑے محاذ دمشق اور حلب ہیں، حکومت نے اس ہفتے دمشق کے مضافات میں باغیوں کو کچلنے کے لیے شدید حملہ شروع کیا تھا۔

دہشت گردی کا تأثر پختہ کرنے کے لیے بشار کے حکم پر دھماکہ

العربیہ ٹی وی کے برادر ٹیلی ویژن چینل "العربیہ الحدث" نے انکشاف کیا ہے کہ چند ماہ قبل دمشق میں القزاز کے مقام پر بم دھماکے باغیوں نے نہیں بلکہ بشار الاسد کے حکم پر سرکاری فوج کے ذریعے کرائے گئے تھے تاکہ یہ تاثر پختہ کیا جا سکے کہ شام میں حکومت کے مخالفین میں دہشت گرد موجود ہیں جو عام شہریوں کو بھی دھماکوں سے اڑا رہے ہیں، ان دھماکوں میں سینکڑوں افراد ہلاک اور زخمی ہو گئے تھے۔

خفیہ دستاویزات سے پتہ چلا ہے کہ صدر بشار الاسد اپنے خلاف عوامی تحریک کو ایک نیا رنگ دینے کے لیے نہتے شہریوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کر رہے ہیں، انہوں نے صرف عالمی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے لیے جگہ جگہ بم دھماکے کرائے تاکہ باغیوں میں القاعدہ اور دیگر دہشت گردوں کی موجودگی کا تاثر دلایا جا سکے۔

خفیہ دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ امسال مئی میں جب صدر بشار الاسد کے خلاف، عوامی انقلاب کی تحریک عروج پر پہنچی تو انہوں نے انٹیلی جنس حکام کو دمشق میں دھماکے کرانے کا حکم دیا، چنانچہ دھماکوں کے لیے ۱۰ر مئی کی تاریخ اور دمشق کے "القزاز" نامی علاقے کا انتخاب کیا گیا جہاں ایک ہزار کلو میٹر گرام بارود سے بھری گاڑی کو ایک مصروف بازار کے قریب فضائیہ کی انٹیلی جنس برانچ کے سامنے دھماکے سے اڑا دیا گیا جس میں سینکڑوں افراد ہلاک ہو گئے تھے، مرنے والوں میں بیشتر عام شہری عورتیں، بچے اور فوجی بھی شامل تھے، ہاتھ لگنے والے ایک خفیہ برقی مراسلے سے پتہ چلتا ہے کہ ۸ مئی کو بیرون ملک انٹیلی جنس سروسز کے چیئرمین صقر منون، نے دمشق میں اپنے ماتحت دوسرے عہدیداروں کو تحریری طور پر آگاہ کیا کہ ملک میں دہشت گردی کا تاثر پیدا کرنے کے لیے صدر حکومت کے حکم پر دھماکہ کرانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

اصلاح معاشرہ

زبان کا غلط استعمال

احمد معاویہ اشرفی

کبھی آپ نے اپنے ارد گرد کا سرسری مشاہدہ کیا؟ راہ چلتے دوران سفر بوقت ملاقات مسلمانوں کا طرز تکلم اور انداز گفتگو کیا منفی رخ اختیار کرتا جا رہا ہے، ایسے ایسے نازیبا اور فحش جملے جو اہل ایمان کی شان سے بہت بعید سمجھے جاتے ہیں، ہمارے ہاں رواجی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، شرافت ومتانت سے بہت دور یہ کلمات اب معمول کا حصہ بن چکے ہیں، ہماری سماعتیں اخلاقیات سے عاری جملوں اور گفتگو کی اس قدر عادی ہو چکی ہیں کہ ان کی شناعت وقباحت کا احساس تک نہیں ہو پاتا۔ معاشرے میں رواج پذیر بدکلامی وفحش گوئی اور دشنام طرازی کا عمومی ماحول بڑی تیزی سے ہماری نسل نو کے ایمان و اخلاق کو برباد کر رہا ہے۔

ذرا اندازہ لگائیے! جس نوجوان کے منہ پر یہ شیطانی کلمات جاری ہوں وہ اپنی اخلاقی، مشرقی اور اسلامی روایات سے کس قدر بے بہرہ ہوگا؟ اسکے ایمانی احساسات کس قدر کمزوری کا شکار ہوں گے؟ بلاشبہ شیاطین بے ہودہ گوئی کے مرض میں مبتلا شخص سے بے انتہا خوش ہوتے ہیں، ایسا نادان فرد نور حق سے نکل کر تاریکیوں کا راہی بن جاتا ہے۔

اسلام کی سب سے بڑی جامع اور عمدہ خوبی ہے کہ وہ انسان کی ظاہری اور باطنی طہارت کا خواہاں ہے، قلب وذہن کی نظافت وصفائی کے واسطے زبان اور اعضائے ظاہرہ کی پاکیزگی کا درس دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایمان وتقویٰ کی جڑیں جتنی گہری اور مضبوط ہوتی ہیں، اتنا ہی صاحب ایمان کی فکر اخلاق اور زبان وبیان شائستہ، عمدہ اور بلند ہوتے چلے جاتے ہیں، کتاب وسنت میں مختلف اسلوب وپیرایوں کے ذریعے اہل اسلام کو تعلیم و تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنی ذات سے دوسرے مسلمان بھائی کو ایذا دینے سے بچیں، اخلاقی پستی، بدکلامی اور فحش بیانی جیسی مذموم عادات، دوسروں کی دل شکنی اور ایذا رسانی کا جس قدر ذریعہ بنتی ہیں، وہ محتاج بیان نہیں۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: "بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ"۔ [انعام: آیت/۱۵۱]

مذکورہ آیت مبارکہ کے تحت مفتی محمد شفیع قدس سرہ لکھتے ہیں: "لفظ فحش، فحشاء اور فاحشہ ہر ایسے برے کام کے لیے بولے جاتے ہیں جس کی برائی اور فساد کے اثرات برے ہوں اور دور تک پہنچیں، اس مفہوم میں تمام بڑے گناہ داخل ہیں خواہ اقوال سے متعلق ہوں یا افعال سے اور ظاہر سے متعلق ہوں یا باطن سے، قرآن کی اس آیت میں فواحش کے قریب جانے سے بھی روکا گیا ہے، اس کو اگر مفہوم عام میں لیا جائے تو تمام بری خصلتیں اور گناہ خواہ زبان کے ہوں خواہ ہاتھ پاؤں کے اور خواہ دل سے متعلق ہوں، سبھی اس میں داخل ہو گئے ہیں"۔ [معارف القرآن: ۳/۴۸۵]

ایک حدیث مبارکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "مومن طعنہ دینے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا، نہ بے حیائی اور بدکلامی کرنے والا"۔ [ترمذی] دوسری حدیث شریف میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدزبانی وبے حیائی کی مذمت وقباحت یوں بیان فرمائی: "بے حیائی جس کسی چیز میں بھی ہوتی ہے اسے عیب دار بنا دیتی ہے اور شرم وحیا کی صفت جس میں ہو وہ مزین، پسندیدہ اور خوبصورت ہو جاتی ہے"۔ [ترمذی]

خود ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات، شمائل اور اخلاق کے حوالے سے کتب سیرت میں موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو طبعاً فحش گو تھے اور نہ بتکلف فحش بات فرماتے تھے، اسی طرح بازاروں میں چیخ وپکار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ومزاج کا حصہ نہ تھا، اخلاق نبوی کی گواہی قرآن کریم یوں دیتا ہے: "اگر تم سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ (صحابہ کرامؓ) تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہو جاتے"۔ [آل عمران: آیت/۱۵۹] بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ اچھائی سے دیا کرتے اور عفو ودرگزر سے کام لیا کرتے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ گندی، بے ہودہ اور اخلاق سے گری ہوئی زبان کے استعمال سے انسان میں "نفاق" کا مرض پیدا ہو جاتا ہے،

ایک حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ''چار چیزیں جس شخص میں ہوں گی وہ خالص اور پکا منافق ہے اور جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک بیماری موجود ہو تو وہ نفاق کی ایک خصلت وعادت میں مبتلا ہے، یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے وہ چار ناپسندیدہ چیزیں یہ ہیں: جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو ایفانہ کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی دے''۔ [مشکوٰۃ:۱/۱۷]

آج ہمارے رویوں میں ایمانی کمزوری اور عملی پستی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم نے قرآن وحدیث کی ہدایات وتعلیمات کو پس پشت ڈال کر اپنے جینے اور رہنے کے نئے نئے زاویے مقرر کر لیے ہیں، جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ معاشرہ بدچلنی، بدامنی اور بدکرداری کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے، جب معاملات اور معاشرت میں بظاہر چھوٹی چھوٹی دکھائی دینے والی باتوں اور امور کا خیال نہیں رکھا جائے گا تو یقیناً انسانیت مبتلا ئے کرب واذیت ہوگی، پھر انسان سے انسان غیر محفوظ رہے گا، ہر شخص ذاتی شخصی اور انفرادی حیثیت جتانے کی کوشش میں لگا رہے گا، اپنے حق کو وصول کرنے کے دوسرے کے حقوق پامال کیے جاتے رہیں گے، زبانیں دوسروں کے دلوں کو چیرتی رہیں گی، ہاتھ غیروں کے گریبانوں کو چاک کرتے رہیں گے، انسانی زندگی پانی کی طرح سستی اور بے قیمت ہو کر رہ جائے گی، جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی اور بدزبانی عام ہوتی چلی جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ زبان کا درست استعمال، لایعنی گفتگو سے اجتناب اور بدگوئی سے بچاؤ آدمی کو مذکورہ تباہیوں اور ہلاکتوں سے بچا سکتا ہے، وہ تمام نفرتیں، کدورتیں اور ناچاقیاں جو زبان کے غلط اور نازیبا استعمال سے پیدا ہوتی ہیں، اس کی درستگی سے دور کی جاسکتی ہیں، محبت والفت، بھائی چارہ اور احساس باہمی کے جذبات وخیالات کو فروغ مل سکتا ہے، شیطانی اقوال کی جگہ پاکیزہ بول، رب کی رحمت ورضوان کا پروانہ بن سکتے ہیں، نفاق کی قلبی بیماری کو روحانی دوامل سکتی ہے، انسان طاغوت کے راستے پر چلنے سے بچ سکتا ہے، ضرورت ہے صرف حوصلہ، ہمت اور فکری بیداری کی، کیا ہم اور آپ اتنی بھی اصلاح احوال پر قدرت نہیں رکھتے؟

☆☆☆☆☆

...........بقیہ صفحہ ۲۱ر کا)

تو کیا عربی سے بھی ہمارا کوئی ناطہ ہے؟ ہمارا دین اسلام ہے، جس سے ہماری دنیا وآخرت دونوں عالم کی ضرورتیں وابستہ ہیں تو پھر ہم عربی کیوں نہیں سیکھتے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے دین کی اہمیت کو ہی نہیں سمجھا تو عربی کی اہمیت کیسے سمجھتے؟ حالانکہ ہم کو بحیثیت مسلمان ہونے کے عربی کی ضرورت سب سے زیادہ ہے اور اب تو دنیا میں بھی عربی کی اہمیت یوں بڑھ گئی ہے، نیز ایسے اسٹیٹ بھی ایک سے زائد ہوں گے جہاں آپ مقامی زبان کے علاوہ سیکنڈ لینگویج کے طور پر عربی سیکھ سکتے ہیں، بلکہ ہمارے بچوں کو نسبتاً اس میں ترقی کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔

دو غلط فہمیوں کا ازالہ

بعض لوگ ناظرہ قرآن شریف بچہ کو پڑھا کر سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے بچے کو عربی پڑھا دی تو کیا کسی زبان کو سمجھے بغیر عبارت پڑھ سکنے کو اس زبان کا جاننا ہم کہہ سکتے ہیں، تو عربی میں ایسا کیوں؟ یہ بات قرآن شریف کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کی وجہ سے اور ہے کہ اس طرح پڑھنے پر قادر بھی جاہل سے بہرحال بہتر ہے نیز یہ چند سورتیں بغیر سمجھے رٹ لے گا تو کم از کم اسکی نماز تو صحیح ہو جائے گی ورنہ نماز بھی صحیح نہیں ہوگی، لیکن قرآن تو اللہ تعالیٰ کا ہمارے نام پیام ہے، اس کا حق کہاں ادا ہوا؟

دوسری غلط فہمی یہ ہوتی ہے کہ اس طرح ایک مزید زبان کے سیکھنے میں بچہ پر بوجھ پڑیگا جو اس کے لیے ناقابل برداشت ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ دماغ کا مسئلہ بھی چھری کی طرح ہے کہ زیادہ استعمال سے زیادہ تیز رہے گی ورنہ بلاوجہ کند ہو جائے گی، بڑے بڑے فلاسفہ بھی اس کے قائل ہیں کہ ہم اپنی خداداد صلاحیت کا جو حصہ استعمال کرتے ہیں، وہ بہت کم ہے، جس کو استعمال نہیں کرتے وہ بہت زیادہ ہے جو ضائع ہو جاتا ہے، ہم نے ایک بات انگلینڈ میں دیکھی کہ جو بچے وہاں مدرسہ کے ساتھ اسکول میں پڑھتے تھے وہ زیادہ نمایاں کامیابی حاصل کرتے تھے، بہ نسبت ان بچوں کے جو صرف اسکول میں پڑھتے تھے۔

☆☆☆☆☆

سنہرے نقوش

بہادر ڈاکو حجاج کی عدالت میں

ادارہ

یہ قصہ سعودی عرب کے شہر ریاض کے قریب ایک علاقے یمامہ میں پیش آیا، اس علاقے میں آج کل ''الخرج'' واقع ہے، اس قصے پر بلاشبہ کئی صدیاں بیت چکی ہیں، مگر یہ داستان آج بھی نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہے۔

یہ پہلی صدی ہجری کے اواخر کی بات ہے، اموی خاندان کی حکومت قائم ہو چکی تھی، دمشق میں ولید بن عبدالملک مسلمانوں کے خلیفہ تھے، عراق اور اس کے مشرقی علاقوں کا گورنر حجاج بن یوسف تھا۔

یمامہ کے لوگ کئی مہینوں سے خوف وہراس میں مبتلا تھے، راتوں کو ڈرتے ڈرتے سوتے تھے، سڑکوں پر سناٹا چھایا رہتا تھا، لوگ کم ہی گھروں سے نکلتے تھے، کسی وقت بھی کوئی حادثہ رونما ہو سکتا تھا، ہر ایک کو یہی خوف لاحق تھا کہ اگلا شکار وہی ہوگا، وہ کوئی بڑا دبنگ اور دلیر قسم کا ڈاکو اور رہزن تھا، جو دن دہاڑے لوگوں کے اموال اور مویشی لوٹ کر لے جاتا تھا، اس نے لوگوں کی نیند حرام کر دی تھی۔

ایک دن کچھ نوجوان اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں اس کا مقابلہ کرنا چاہیے، ظہر کا وقت تھا، ڈاکو نہایت اطمینان سے سڑک پر بے خوف و خطر گھوم رہا تھا، نوجوانوں نے اسے للکارا تو وہ لپک کر آیا، ان سب کو آڑے ہاتھوں لیا اور نہایت بے دردی سے مارا، ان کے جسم سے خون بہنے لگا، تھوڑی دیر میں یہ نوجوان مقابلہ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، لوگوں میں اور زیادہ خوف وہراس پھیل گیا، وہ کہنے لگے کہ یہ کوئی عام لٹیرا ایک ڈاکو نہیں، بلکہ یہ تو کوئی شیطان ہے، بھلا اتنے نوجوانوں کا مقابلہ ایک آدمی کیسے کر سکتا ہے؟ اس نے کتنی دلیری اور مہارت سے انہیں مارا ہے، بلاشبہ یہ رہزن ڈاکو کے روپ میں کوئی شیطان ہے، ہر جگہ، ہر مجلس اور ہر گھر میں اسی کی باتیں ہوتی رہتی تھیں، رفتہ رفتہ اس ڈاکو کی خبریں ایک محلے سے دوسرے محلے تک، ایک بستی سے دوسری بستی تک اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک پھیلتی چلی گئیں۔

یمامہ کے گورنر کو بھی یہ خبریں پہنچ چکی تھیں، اس ڈاکو کی کارروائیاں مسلسل بڑھتی چلی جارہی تھیں، ایک دن یہ خبر حجاج بن یوسف تک پہنچ گئی، اس کے غیظ وغضب کی انتہا نہ رہی، وہ کہنے لگا: بڑی حیرت کی بات ہے کہ صرف ایک ڈاکو نے سارے علاقے کا امن غارت کر رکھا ہے، اس نے فوراً یمامہ کے گورنر کو خط لکھا کہ اس ڈاکو پر جلد قابو پایا جائے، اسے قتل کر دیا جائے یا قید کر کے میرے پاس روانہ کیا جائے، گورنر کو انتباہ کیا گیا کہ اگر اس نے ڈاکو کو زندہ یا مردہ گرفتار نہ کیا تو اسے معزول کر کے نیا شخص گورنر بنا دیا جائے گا۔

اس ڈاکو کا نام جحدر تھا، بلاشبہ وہ اس وقت کے سب سے خطرناک ڈاکوؤں کا سرغنہ تھا، یمامہ کے گورنر نے اسے گرفتار کرنے کی پوری کوشش کی، مگر وہ ہمیشہ اس کے سپاہیوں کو جل دینے میں کامیاب ہو جاتا تھا، ادھر یمامہ کے گورنر کو حجاج کا نوٹس مل گیا کہ اس کی گورنری خطرے میں ہے اور کسی بھی وقت اسے برطرف کر دیا جائے گا تو اس نے جحدر کو پکڑنے کے لیے اپنے تمام وسائل جھونک دیے، جحدر بھی چھلاوا تھا، وہ اپنے شکار کو لوٹتا اور نہایت اطمینان سے غائب ہو جاتا، تمام تدابیر ناکام ہو گئیں تو اسے پکڑنے کے لئے نیا حیلہ سوچا گیا۔

گورنر یمامہ نے دو نہایت توانا اور کڑیل نوجوانوں کا انتخاب کیا، یہ بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ذہین بھی تھے، انہیں نہایت سوچ بچار کے بعد یہ ذمے داری سونپی گئی کہ وہ جحدر کو زندہ یا مردہ گرفتار کریں، اس کے صلے میں انہیں بڑی دولت دینے کا وعدہ کیا گیا اور پلان سمجھا دیا گیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

نوجوانوں نے جحدر کو پیغام بھیجا کہ ان کی قوم نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے، ہم بھی چوری چکاری کرتے ہیں، لوگوں کے گھر لوٹتے ہیں اور اب ہم کسی وقت بھی گرفتار ہو سکتے ہیں، کیونکہ ہمارے گرد قافیہ تنگ ہو چکا ہے، ہمیں تمہاری جرأت اور ہمت کی خبریں ملی ہیں تو ہم تم سے نہایت متاثر ہوئے ہیں، ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں اپنا لیڈر بنائیں، تمہاری ہی قیادت میں ڈاکے ماریں اور جو کچھ ہمیں حاصل

ہو،اس کا ایک چوتھائی حصہ تمہاری خدمت میں پیش کریں، گفتگو چلتی رہی،نوجوان چھوٹے موٹے ڈاکے مارتے رہے،ان خبروں کو خوب اچھالتے رہے،اس طرح ان کی دلیری کے قصے زبان زد عام ہو گئے،چنانچہ انہوں نے جحدر کو آخری پیغام بھیجا کہ اگر اس نے انہیں اپنے گینگ میں شامل نہ کیا تو وہ اپنے طور پر علاحدہ ہی ڈاکے مارتے رہیں گے۔

جحدر کو اپنی ذہانت پر پورا اعتماد تھا،اس نے جتنے بھی ڈاکے مارے تھے، اکیلے ہی مارے تھے اور ہمیشہ کامیاب رہا تھا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ کوئی اسے بھی دھوکا دے سکتا ہے،اس نے نوجوانوں کو مثبت جواب دیا اور ان کا سرغنہ بننا منظور کر لیا،اب انہوں نے مل کر ڈاکے مارنے شروع کر دیے، اس نے انہیں یکے بعد دیگرے کئی مقامات پر بھیجا، یہ نوجوان اس کی بتائی منزل جا پہنچتے ،لوٹ مار کرتے ، کامیاب و کامران واپس آجاتے اور آتے ہی وعدے کے مطابق چوتھائی حصہ جحدر کے حوالے کر دیتے،اب جحدر کو یقین ہوتا جا رہا تھا کہ یہ نوجوان میرے لیے نہایت مخلص ہیں، ان پر اس کا اعتماد بڑھتا چلا گیا۔

جب نوجوانوں کو یقین ہو گیا کہ وہ ان پر اعتماد کرنے لگا ہے تو انہوں نے فوراً اپنی اصل ڈیوٹی پوری کرنے کی ٹھانی۔

چاندنی رات تھی، ٹھنڈی ہوا تھی ، خاموش فضا تھی ، یہ لوگ ایک بڑی واردات کے بعد اپنے ٹھکانے پر پہنچے ، یہ سب بہت تھکے ہوئے تھے ، جحدر نے فوراً اپنی تلوار اتار کر ایک طرف رکھ دی اور گہری نیند سو گیا ، ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے اس کی نیند پر اور زیادہ غفلت طاری کر دی ، ادھر نوجوان موقع کی تاک میں تھے، انہوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا ، انہوں نے پہلے ہی سے ایک مضبوط رسی تیار کر رکھی تھی ،وہ بجلی کی تیزی سے اٹھے اور آناً فاناً جحدر کے ہاتھ پاؤں نہایت مضبوطی سے جکڑ دیے ، جحدر کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو کشتی طوفان میں پایا ، اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں ، وہ دھاڑا، مگر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا،ادھر پولیس کو بھی مدد کے لیے بلا لیا گیا اور پھر اسے گورنر یمامہ کی خدمت میں لے گئے ، بلاشبہ یہ نوجوانوں کا بڑا کارنامہ تھا،گورنر نے اس مجرم کی گرفتاری پر اللہ کا شکر ادا کیا،نوجوانوں کو انعام و اکرام سے نوازا، بارك الله فيكم، تم نے بہت بڑا کام انجام دیا،ایک خطرناک ڈاکو سے لوگوں کو نجات ملی،اس نے فوراً پولیس کا ایک دستہ تشکیل دیا اور زبردست نگرانی میں حجاج کے پاس بھجوانے کا بندوبست کیا۔

جب لوگوں کو اس ڈاکو کے پکڑ جانے کی خبر ملی تو بے حد خوش ہوئے، ہر شخص کی خواہش تھی کہ وہ اسے دیکھے ، چنانچہ جب جحدر کو حجاج کے پاس پہنچانے کے لیے قافلہ روانہ ہوا تو سڑکوں پر لوگوں کا بڑا ہجوم جمع ہو گیا اور سب لوگ اس نامور ڈاکو کو دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔

لوگوں کا خیال تھا کہ وہ کوئی بہت بھاری بھرکم شخصیت کا مالک ہوگا، خوب موٹا تازہ لمبے قد کا جوان ہوگا جس نے سارے علاقے پر اپنی دھاک بٹھا دی تھی، مگر انہیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ درمیانے قد کا چھوٹے سے سر والا مریل سا آدمی ہتھکڑیوں میں جکڑا چلا جا رہا ہے۔

جحدر کا قافلہ حجاج کے پاس پہنچا، وہ بھی اسے دیکھنے کا متمنی تھا،اس نے اپنے امراء اور درباریوں کے ساتھ جحدر سے ملنے کا فیصلہ کیا، تھوڑی ہی دیر کے بعد جحدر حجاج کے دربار میں پورے وقار اور تمکنت کے ساتھ کھڑا تھا،حجاج نے اس پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی ، اس کا باوقار انداز میں کھڑے ہونا اس کے لیے باعث تعجب تھا،اس نے گرج کر پوچھا:

حجاج: کیا تم جحدر ہو؟

جحدر: ہاں؟ میں ربیعہ کا بیٹا جحدر ہوں۔

حجاج: تمہیں اس قدر بھیانک جرائم پر کس نے اکسایا؟

جحدر: زمانے کے ظلم و ستم، میرے دل کی جرأت اور بہادری ، مفلسی وناداری اور لوگوں کی بزدلی نے۔

حجاج اس جواب سے بہت متاثر ہوا کہ یہ شخص بڑا فصیح اللسان ہے،موت کے دہانے پر کھڑا ہو کر بھی اس نے کتنی بے باکی سے جواب دیا ہے،حجاج نے اگلا سوال کیا:

حجاج: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے بھیانک جرائم اور غلط کاموں کا انجام کیا ہے؟

جحدر :اگر آپ مجھے اپنا باڈی گارڈ بنالیں اور اپنے خاص آدمیوں میں شامل کر لیں تو میں ایسے کارنامے انجام دوں گا کہ آپ حیران رہ جائیں گے۔

حجاج : تم میرے باڈی گارڈ بنو گے، ہاہاہا، ایک ڈاکو اور میرا باڈی گارڈ! تمہارے

جیسے گھٹیا لوگ چوری اور ڈاکے سے زیادہ کچھ نہیں سوچ سکتے ،اب تم اپنی موت کے سوا اور کوئی تمنا نہ کرو۔

جحدر: امیر! اگر آپ اپنے دشمنوں کے خلاف میری حکمت عملی سن لیں تو آپ بہت خوش ہوں گے۔

حجاج: چلو پہلے ہم تمہاری حکمت اور بہادری کا تجربہ کرتے ہیں اور تمہارا مقابلہ کرا کے دیکھتے ہیں۔

جحدر : اللہ امیر کو مزید عزت واحترام دے، میں ہر قسم کے تجربے اور مقابلے کے لیے تیار ہوں۔

حجاج: جانتے ہو یہ مقابلہ سخت ہے، موت اس سے کہیں زیادہ آسان ہے۔

جحدر: آپ جس سے مقابلہ کرانا چاہتے ہیں، کرائیں میں تیار ہوں۔

حجاج: لیکن یہ مقابلہ کسی میدان جنگ میں نہیں ہوگا کہ تمہیں محض کسی آدمی کے ساتھ روایتی طور پر لڑنا ہے۔

جحدر: میں ہر قسم کے مقابلے اور آزمائش کے لئے تیار ہوں۔

حجاج: پھر سن لو! یہ مقابلہ کسی آدمی کے ساتھ نہیں ہوگا۔

جحدر: میں مقابلے کے لیے تیار ہوں، بے شک کسی جن سے مقابلہ کرا کے دیکھ لیجیے۔

حجاج: لیکن یہ مقابلہ کسی جن کے ساتھ بھی نہیں ہوگا۔

جحدر : اے امیر! میں ایک گھنٹے سے آپ کے احاطۂ اطاعت میں کھڑا ہوں جس طرح جی چاہے مجھے آزمائیے، میں تیار ہوں۔

حجاج: ہم تمہیں ایک بھوکے شیر کے سامنے کھڑا کریں گے، تمہارے پاس ایک تلوار کے سوا کچھ نہ ہوگا، اگر شیر نے تمہارے ٹکڑے کر دئے تو تم اپنے انجام کو پہنچ جاؤ گے اور اگر تم اسے ہلاک کر دیا تو پھر ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔

جحدر : اللہ امیر کا بھلا کرے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ معافی اور خلاصی کی صورت نکل آئی۔

حجاج :اس قدر خوش ہونے کی ضرورت نہیں، تمہاری خوش فہمی حد سے بڑھ گئی ہے، جلد ہی تمہارا مقابلہ بھوکے شیر سے ہونے والا ہے۔

حجاج نے جحدر کو قید خانے میں ڈالنے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ ایک نہایت خونخوار شیر کو دو تین دن بھوکا رکھا جائے تاکہ وہ جحدر کا مقابلہ کرے، پھر وہ دن آ پہنچا جب چھوٹی سی کھوپڑی والا ایک آدمی شیر سے مقابلہ کرنے کے لیے اکھاڑے میں اترنے والا تھا، اس دن موسم معمول سے زیادہ گرم تھا، اکھاڑا اس طرح بنایا گیا کہ گہری جگہ کھودی گئی، اس کے اردگرد مضبوط دیواریں بنائی گئیں، اس کے دو دروازے تھے، ایک شیر کے اور دوسرا جحدر کے داخلے کے لیے تھا۔

حجاج اپنے امراء و وزراء اور دیگر عمائدین شہر کے ساتھ یہ مقابلہ دیکھنے آیا، عام لوگ بھی سخت گرمی کے باوجود وہاں جمع ہو گئے ،لوگوں کے دلوں میں جحدر کے لئے سخت نفرت تھی، مگر اس کے باوجود جب انہیں خیال آتا کہ اب وہ بھوکے شیر سے مقابلہ کرے گا تو انہیں جحدر سے ہمدردی ہونے لگی۔

حجاج نے مقابلہ شروع کرنے کا اعلان کیا، شیر کے پنجرے کا دروازہ کھول دیا گیا ، شیر نہایت شدت سے دھاڑتا ہوا اکھاڑے میں داخل ہوا، اکھاڑے میں ادھر ادھر بھاگنے لگا، یہ بڑا قوی ہیکل شیر تھا، اس کا سر بہت بھاری بھرکم تھا ، اس کا جبڑا کھلا ہوا تھا، اس کے لمبے لمبے خون آشام دانت باہر نکلے نظر آ رہے تھے ، آنکھوں سے غصے کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں لوگوں کو یقین تھا کہ اب چند ہی لمحوں کے بعد جحدر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

اب حجاج نے دوسرا اشارہ کیا کہ جحدر کا دروازہ کھولا جائے ، جحدر کے جسم کا بیشتر حصہ ننگا تھا، اس کے ہاتھ میں تلوار تھی، اس نے حجاج کے سامنے آ کر اپنی گردن اٹھائی ،تلوار کو حرکت دی اور پوری قوت سے بولا:

اللہ امیر کو مزید عزت واحترام دے، ممکن ہے یہ میری زندگی کے آخری لحات ہوں ، اگر میں کامیاب ہو جاؤں گا تو کیا میرے لیے معافی ہے؟

حجاج : ہاں! اگر تم نے فتح پائی تو پھر تمہارے لیے معافی ہے۔

سپاہیوں نے جحدر کو اکھاڑے میں دھکیل دیا ، جحدر اکھاڑے میں نہایت بے خوفی سے داخل ہوا، یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کسی ہرن کا شکار کرنے جا رہا تھا، جب شیر نے ایک آدمی کو اکھاڑے میں داخل ہوتے دیکھا تو زور سے غرایا، حاضرین کے دل دہل گئے، بڑے بڑے

بہادروں کے چھکے چھوٹ گئے، پتے پانی ہوگئے، خوف کے مارے بڑے بڑے سورماؤں نے آنکھیں میچ لیں، ادھر جحدر بے باکی سے شیر کی طرف بڑھا اور شیر کو مخاطب کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

لیث ولیث فی محال ضنک
کلاھما ذو قوۃ وسفک

(ایک طرف یہ شیر ہے اور دوسری طرف دوسرا شیر مشکل میں ہے جب کہ دونوں شیر نہایت طاقتور اور خونخوار ہیں)۔

لوگ حیران تھے، جحدر نے لوگوں کے توقع کے خلاف شیر کی طرف بڑھنا شروع کردیا، ادھر شیر زور سے غرایا، شیر نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو اس پر چھلانگ لگادی، ادھر جحدر بھی تیار کھڑا تھا فوراً ایک طرف ہٹ گیا اور پھر اچانک پلٹ کر شیر پر ٹوٹ پڑا، شیر اٹھ ہی رہا تھا کہ تلوار کا ایک کاری وار اس پر پڑا، اور اگرچہ بھرپور تھا مگر مہلک نہ تھا، شیر نے پیچھے کی طرف جست لگائی، زخمی ہونے کے وجہ سے وہ مسلسل دھاڑ رہا تھا، اس کے بدن سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا، اس نے نہایت خوفناک انداز میں اپنا جبڑا کھولا، اس کے خونخوار دانت اور تیز ہوگئے، وہ جحدر پر حملہ کرنے کے لئے پلٹا ہی تھا کہ جحدر بجلی کی طرح آگے بڑھا اور اس کی گردن پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ گردن کٹ کر شیر کے دھڑ کے ساتھ جھولنے لگی اور شیر دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

لوگوں نے فلک شگاف نعرہ تکبیر بلند کیا اور جحدر سے ان کی نفرت محبت میں بدل گئی، آج تک اتنا بہادر شخص کسی نے نہیں دیکھا تھا، لوگ کہہ رہے تھے: کاش! اس شخص کی بہادری اور عظیم قوت قتل وغارت گری اور ڈاکہ زنی کے بجائے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں استعمال ہو، جحدر نے اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا اور حجاج کی طرف بڑھا، اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھادیا، حجاج نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کیا اور کہنے لگا:

جحدر ! تم کتنے بہادر ہو! میں تمہیں اختیار دیتا ہوں، یا تو تم معزز اور مکرم بن کر میرے پاس رہو یا اس شرط پر واپس یمامہ چلے جاؤ کہ آئندہ کسی شخص پر ظلم اور زیادتی نہیں کروگے، جحدر کو معلوم تھا کہ حجاج اپنے وعدے کا پابند ہے، اس نے کہا: میرے لئے افضل یہی ہے کہ میں آپ کے پاس رہوں اور آپ کی خدمت کروں، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب میری تلوار اور میری قوت بازو باغیوں اور اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف لہرائے گی۔

حجاج نے اس کی بات قبول کرلی، جحدر نے بھی سچے دل سے توبہ کی اور اس کی تقدیر بدل گئی، اب وہ ڈاکو نہیں رہا تھا، بلکہ لوگوں کی جان ومال اور آبرو کی حفاظت کرنے والا بن گیا تھا، اس نے اپنا تعلق اللہ رب العزت سے جوڑ لیا اور اپنا وقت نماز، روزے، تہجد اور جہاد میں بسر کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

☆ تحفۂ دین ودانش

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

دورۂ مالوہ، اجین، اندور، (نومبر ۱۹۸۳ء) کی تقریروں کا مجموعہ، جن میں ملک کے تیزی سے بدلتے ہوئے، بلکہ بگڑتے ہوئے حالات، اخلاقی بحران، مسلم معاشرے کی تشویش انگیز رویوں اور بیماریوں کی نشاندہی اور ان کا علاج بتایا گیا ہے اور دینی تعلیم کی ضرورت واہمیت کا احساس دلایا گیا ہے۔

صفحات: ۱۱۵ قیمت: ۵۰

☆ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ - عہد ساز شخصیت

(مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں)

از حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

صفحات: ۳۶۸ قیمت: ۲۰۰

نوٹ: طلباء کے لئے خصوصی رعایت

ناشر: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس ۱۱۹، ندوۃ العلماء کیمپس، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

Ph No.: 0522-2741539 - Mob No.: 9889378176

Email.airpnadwa@gmail.com

نسیم رحمت

مہبط روح امیں حامل قرآں کو سلام

حضرت حمید صدیقی مرحوم

زائرو پیش کرو جب شہ ذیشان کو سلام
ہم غریبوں کا بھی سلطانِ غریباں کو سلام

عرض کرنا بکمال ادب و شوق نیاز
قبلۂ اہل وفا کعبۂ ایماں کو سلام

یاد رکھنا حرم پاک کے جانے والو
اس گنہگار کا بھی رحمت یزداں کو سلام

بھول جانا نہ کہیں وقت تلاوت للہ
مہبط روح امیں حامل قرآں کو سلام

خواب گاہ شہ کونین پہ ہر لحظہ درود
سحر و شام مرے حاصل ایماں کو سلام

گوشہ گوشہ پہ شبستان رسالت کے درود
روضہ و منبر و محراب درخشاں کو سلام

دل کو دل چشم توجہ سے بنایا جس نے
میرے اس راہبر منزل عرفاں کو سلام

جن کو حاصل ہے شرف آپ کی پابوسی کا
اس گلی کوچے کے ذرّات درخشاں کو سلام

جو پھرا کرتے ہیں مستوں کی طرح گلیوں میں
ان سگان بلد شاہ رسولاں کو سلام

نگہ سرور کونین پڑی ہے جس پر
اس رہ و منزل و کہسار بیاباں کو سلام

اک نظر کوہ احد پر مری خاطر پہلے
پھر اسی وادی فردوس بداماں کو سلام

محو آرام ہیں جس خاک پہ اصحاب اُحد
ایک مہجور کا اس گنج شہیداں کو سلام

جن میں ہر لحظہ مہکتی ہے نسیم رحمت
اس گلستاں کو سلام اہل گلستاں کو سلام

رنگ و نکہت پہ شمیم چمن خلد نثار
غنچۂ ولالہ و گل سنبل و ریحاں کو سلام

جس میں ہے خلد درآغوش قبا کی مسجد
اس خیاباں کو سلام اس چمنستاں کو سلام

ساز دل گونج اٹھا کیف نوانجی سے
چمن طیبہ کے مرغان خوش الحاں کو سلام

قبۂ نور پہ ہوتے ہیں جو قربان ہمہ شب ۔۔۔ ان ستاروں کو سلام اس مہ تاباں کو سلام
جس سے ہوتی ہیں مری ہجر کی راتیں روشن ۔۔۔ حرم قدس کی اس شمع شبستاں کو سلام
فرش پا رہتی ہے جو صحن حرم میں ہر سو ۔۔۔ اس شب ماہ اور اس ماہ درخشاں کو سلام
جس سے روشن ہوئے دل ہم سے سیہ کاروں کے ۔۔۔ اس در پاک کی قندیل فروزاں کو سلام
گنبد سبز کا ہر اک روز جو کرتی ہیں طواف ۔۔۔ ان شعاعوں اور اس مہر درخشاں کو سلام
روضۂ خلد میں جو محو عبادت ہوں گے ۔۔۔ ان کے حسن نظر و چہرہ تاباں کو سلام
وہ جو احساس ندامت سے ہو طوفاں بکنار ۔۔۔ ڈبڈبائی ہوئی اس چشم پشیماں کو سلام
گم جو ہو جلوۂ بے رنگ کے نظارے میں ۔۔۔ دل مشتاق کا اس دیدۂ حیراں کو سلام
باصد اخلاص و بہ انداز غلامی کہنا ۔۔۔ حرم پاک کے ہر خادم و درباں کو سلام
جن کے صدقہ میں خلش ہوتی ہے ابتک دل میں ۔۔۔ سنگریزوں کو اور ان خار مغیلاں کو سلام
کیف و مستی میں فراموش نہ ہو جائے کہیں ۔۔۔ قافلے والوں کو اور ان کے حدی خواں کو سلام
مست و سرشار نظر آئیں جو کچھ ناقہ سوار ۔۔۔ ان کے بکھرے ہوئے گیسوئے پریشاں کو سلام
جس جگہ کرتے ہیں حجاج پہنچ کر منزل ۔۔۔ ان مقامات کو ان کوہ و بیاباں کو سلام
پاپیادہ جو ملے راہ میں دیوانۂ شوق ۔۔۔ اس غریب الوطن و بے سر و ساماں کو سلام
غازۂ خاک رہ شوق ہو جس کے رُخ پر ۔۔۔ اس کے ذوق طلب و رنگ پریشاں کو سلام
در اقدس پہ جو مصروف گہر باری ہو ۔۔۔ نگہ شوق کا اس دیدۂ گریاں کو سلام
نعت پڑھتا ہوا مل جائے جو کوئی یمنی ۔۔۔ غائبانہ مرا اس مست و غزل خواں کو سلام

ان کی رحمت سے میسر ہو وہ دن کاش حمیدؔ
خود کریں عرض شہنشاہ رسولاں کو سلام

☆☆☆☆☆

خزینۂ کتب ندوۃ العلماء

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں
ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید دی جائے گی۔
ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S.V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele Add Cupkettle
Ph: 23460220-23468708

ماہ مبارک کی عبادت مبارک مبارک!
روز عید کی مسرت مبارک مبارک!
پروپرائٹر: ولی اللہ
ولی اللہ جویلرس
WALIULLAH
Jewellers
ALL KINDS OF GOLD, SILVER & DIAMOND JEWELLERY
Mob. 9415090544, 9936672278
Phone : 0522-2627446 (S)
e-mail : waliullahjewellers@gmail.com
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow

MAQBOOL JEWELLERS
مقبول جویلرس
Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow
Ph: 0522-4000130 (S) 4001130

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں
ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید دی جائے گی۔
کیفے فردوس
CAFE FIRDOS
Partly Air Condition
MOGHALAI & CHINESE FOOD
Tel.: 23424781 - 23459921
145, Sarang Street, Crawford Market, Mumbai-400003

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirt, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties
menmark®
Men's Exclusive
MFG, Wholesale, Export & Retail
58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow-226001

Mohd. Zubair
Mohd. Salman
0522-2618629
09415028247
09919091462
Sahara FOOTWEAR
wholesale
35, Amethi House, Near Post Office, Aminabad, Lucknow-18

Postal Regd. No. LW/NP/63/2012TO2014
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071
Despatch Date, 10-12 / 25-27
Vol. No. 50 Issue No.01

Fortnightly
TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Fax : 0522-2741221
E-mail : nadwa@sancharnet.in
10 November, 2012

Booking Open

2 BHK / 3 BHK & 4BHK
Premium Flats Available
at Affordable Prices

SAITECH GRACE
An Ideal House You Truly Deserve

FACILITIES /AMENITIES

24X7 security system, Intercom / EPABX system from Entrance Gate, Power Backup through Generator, Internet connectivity, Pressurized water supply system, High quality single lever bathroom fittings, Open and covered car parking, Children play ground, Jogging / walking track, Gymnasium provision, Automatic high speed lifts, Fire Fighting System, Ample open and covered (stilt and basement) car parking space, Visitor's Parking.

BUILDERS & DEVELOPERS
SAITECH INFRASTRUCTURE PVT. LTD.
MAS COLONISERS (INDIA) PVT. LTD.

Corporate Office
06-F.F., Natraj Complex, 11 B.N. Road, Lalbagh,
Lucknow - 226001
Tele Fax : +91-522-4077160
Mob.: 9838456123, 9450200000,
9450931440, 9415022240
Website : www.saitechbuilders.com
E-mail : saitechinfra@gmail.com

Site Office 485/8, Mohan Meakin Road,Daliganj, Lucknow.

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر، فلور پرفیوم، روح گلاب،
روح کیوڑہ، عرق گلاب، عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ

خوشبودار عطریات

______ : کی ایک قابل اعتماد دوکان : ______
ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

تیار کردہ
اظہارسن پرفیومرس
اکبری گیٹ چوک لکھنؤ
برانچ: C-5، جنپتھ مارکٹ، حضرت گنج

IZHARSON PERFUMERS

H.O. : Akbari Gate, Chowk, Lucknow.
Tel : 0522-2255257 Mobile : +91-9415009102
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell:91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com

Editor *Shamsul Haq Nadwi*, Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph: 9415100085

Designed By : Future Graphix, Lko. Mobile : 786063291